Marfat.com

Marfat.com

MFN
208374
DATA ENTERED

# روح جہاد اور اس کی حقیقت

(رُوحُ الْجِهَادِ وَ حَقِيقَتُهُ فِى الْإِسْلَامِ)

"İ'LAY'I KELİMETULLAH VEYA CİHAD"

مؤلف

محمد فتح اللہ گولن

مترجم

طاہر صدیق

HARMONY
PUBLICATIONS

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں یا کسی ذریعے سے خواہ وہ الیکٹرانک، میکینکل بشمول فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا کسی اطلاع کو محفوظ کرنے یا معلومات کے حصول اور اصلاح کی غرض سے دوبارہ شائع نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی منتقل کیا جاسکتا ہے۔

9298


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | روح جہاد اور اس کی حقیقت |
| مؤلف | : | محمد فتح اللہ گولن |
| مترجم | : | طاہر صدیق |
| نظر ثانی | : | ڈاکٹر سمیع الحق |
| ناشر | : | ہارمونی پبلی کیشنز |
| تعداد | : | 1000 |
| اشاعت | : | اشاعت اوّل 2008ء |
| | | اشاعت الثانی 2009ء |

HARMONY PUBLICATIONS


9, Main Double Road, F-10/2,
Islamabad-Pakistan
Tel: +92-51-2212250, Fax: +92-51-2112186
www.harmonypublications.pk
harmony.publications@gmail.com

Marfat.com

# فہرست


کچھ مصنف کے بارے میں ۷

پیش لفظ ۱۳

تمہید ۲۳

## پہلی فصل: جہاد کا معنی و مفہوم ۲۹ تا ۵۵

جہاد کیا ہے ۳۱

جہاد حکم الٰہی ۳۳

جہاد کی اقسام ۳۷

جہاد اکبر اور جہاد اصغر ۳۷

ب۔ اللہ کی طرف لے جانے والے راستے ۳۸

ج۔ نبی ﷺ کے خاص معاملات ۴۰

د۔ صحابہ کرام ۴۵

و۔ اللہ کی عنایت کا بلاوا ۴۸

ز۔ سلف صالحین اور جہاد ۵۲

س۔ آج کے انسان کی ذمہ داری ۵۲

## دوسری فصل: جہاد کی جہات اور میدان ۵۷ تا ۸۰

جہاد انبیاء کا فرض منصبی ۵۹


Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| ۲۔ | جہاد۔ شہادت حق | ۶۱ |
| ۳۔ | جہاد زندگی کا سرچشمہ | ۶۵ |
| ۴۔ | جہاد بلند جذبہ اور عظیم احساس | ۶۷ |
| ۵۔ | جہاد۔۔ مال ومتاع میں برکت کا ذریعہ | ۷۴ |
| ۶۔ | جہاد ابدی زندگی کا سرراز | ۷۸ |

## تیسری فصل: جہاد مؤمن اور کائنات ۸۱ تا ۱۱۶

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | جہاد ہر مسلمان پر فرض | ۸۳ |
| ۲۔ | ہر آن جہاد کے لیے تیار رہنا | ۸۹ |
| ۳۔ | مومن ہمیشہ جہاد سے منسلک رہتا ہے | ۹۱ |
| ۴۔ | اللہ والے حاکمیت کے اہل ہیں | ۹۸ |
| | ا۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ | ۱۰۱ |
| | ب۔ براء بن مالک | ۱۰۴ |
| ۵۔ | جہاد دنیا پر حکمرانی کا ذریعہ | ۱۰۶ |
| | ا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے لوگوں کی حکمرانی | ۱۱۰ |
| | ب۔ امت محمدی میں زمین پر حکمرانی کا مفہوم اور اس کا حدود اربعہ | ۱۱۳ |

## چوتھی فصل: جہاد کے فوائد اور ماحصل ۱۱۷ تا ۱۳۷

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | جہاد، داخلی اور خارجی امن وسلامتی کی ضمانت | ۱۱۹ |
| ۲۔ | جہاد ذلت وپستی کو روکنے کا ذریعہ | ۱۲۶ |


Marfat.com

۲۔ جہاد ذلت و پستی کو روکنے کا ذریعہ ۱۲۶

ا۔ رکاوٹیں توڑنے والے جانباز ۱۳۱

ب۔ عزت والی زندگی کی خاطر ۱۳۴


## پانچویں فصل: جہاد کے راستے کی رکاوٹیں ۱۳۹ تا ۱۵۸


ا۔ جہاد اور سستی کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے ۱۴۱

۲۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام کی زندگیاں اور آرام و راحت کی قربانی ۱۴۷

۳۔ جہاد اور زندگی کو حقیر جاننے کا تعلق ۱۵۱


## چھٹی فصل: جہاد سے محبت کرنے والی عظیم روحیں ۱۵۹ تا ۱۷۴


ا۔ سرورِ کونین ﷺ ۱۶۱

۲۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ۱۶۳

۳۔ عمرو بن جموح اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ ۱۶۶

۴۔ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ۱۶۸

۵۔ ابو عقیل رضی اللہ عنہ ۱۶۸

۶۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ۱۷۰

۷۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ۱۷۱

۸۔ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ۱۷۳

۹۔ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ۱۷۴

خاتمہ ۱۷۵


Marfat.com

Marfat.com

# کچھ مصنف کے بارے میں

شیخ محمد فتح اللہ گولن ۱۹۳۸ء میں ترکی کے صوبہ ارضروم کے شہر 'حسن قلعہ' کے ایک گاؤں 'کوروجک' میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایک دیندار گھرانے میں پرورش پائی۔ آپ کے والد 'رامز افندی' علمی، ادبی اور دینی لحاظ سے قابلِ احترام شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی والدہ 'رفیعہ خانم' دینداری اور قوتِ ایمانی کی وجہ سے مشہور تھیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے محمد کو چار سال سے بھی کم عمر میں قرآن کی تعلیم دلانے کا خصوصی اہتمام کیا۔ وہ اسے آدھی رات کو بیدار کر کے قرآن کریم سکھایا کرتیں۔

مصنف نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد کے یہاں علاقے کے معروف علماء اور صوفیائے کرام کا آنا جانا رہتا تھا جس کی وجہ سے محمد فتح اللہ کو ابتدائے عمر میں ہی ان حضرات کی مجالس سے استفادہ کا موقع ملا۔

## ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم ایک دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ آپ نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت پر بھی توجہ دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ خانقاہ جاتے رہتے تھے۔ آپ نے دینی علوم اپنے علاقے کے ممتاز ترین اساتذہ سے حاصل کئے۔ چنانچہ آپ نے عربی گرامر، بلاغت، فقہ، اصول فقہ اور عقائد کی تعلیم 'عثمان بکتاش' سے حاصل کی۔ آپ نے روایتی اور فلسفیانہ علوم کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اپنی تعلیم کے دوران آپ نے 'رسالہ النور' کا مطالعہ کیا۔ اسی دوران میں طلبہءنور کی تحریک سے بھی آپ کا تعارف ہوا جس سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ یہ تجدید و احیاء کی ایک ہمہ گیر تحریک تھی جس کے بانی و قائد 'رسالہ النور' کے مؤلف علامہ بدیع الزمان سعید نورسی تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے مطالعے میں وسعت اور آپ کی ثقافت میں تنوع



Marfat.com

پیدا ہوتا گیا۔آپ نے مغربی و مشرقی تہذیب ،فکر اور فلسفے کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور عصری علوم مثلاً فزکس، کیمیا، فلکیات اور حیاتیات وغیرہ سے بھی واقفیت حاصل کی۔

## محمد فتح اللہ سے شیخ محمد فتح اللہ تک

بیس سال کی عمر میں محمد فتح اللہ کی 'ادرنہ' کی جامع مسجد 'اُچ شرفلی' میں بطور امام تقرری ہوئی، جہاں انہوں نے اڑھائی سال زہد و مجاہدۂ نفس میں گزارے، آپ مسجد میں ہی رہتے اور بلا ضرورت باہر نہ نکلتے۔

آپ نے اپنے دعوتی کام کا آغاز 'ازمیر' شہر کی جامع مسجد 'کستانہ بازاری' سے ملحق 'مدرسة تحفيظ القرآن' سے کیا۔اس کے بعد آپ نے چلتے پھرتے وعظ و نصیحت کا سلسلہ اختیار کیا اور 'مغربی اناطولیہ' کے سارے گردونواح کا دورہ کیا کیونکہ دلوں میں پیاس موجود تھی اور روحوں کو ایسے مرشد کی تلاش تھی جو انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا راستہ دکھائے۔اس کے لیے آپ نے ۱۹۷۰ء میں نوجوانوں کے لیے تربیتی کیمپ لگانے کا سلسلہ کا آغاز کیا جن میں آپ اپنے خطبات کے ذریعے دلوں کی تربیت کرتے ،انہیں گناہوں کی میل سے پاک کرتے اور اپنے خالق و پروردگار کی یاد دلاتے۔

۱۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو اس وقت کی حکومت پر فوجی دباؤ کے نتیجے میں آپ کو اس الزام میں گرفتار کر لیا گیا کہ آپ ایک خفیہ تنظیم کے ذریعے موجودہ معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظام تبدیل کرنے اور عوام کے دینی جذبات کو غلط مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آپ چھ ماہ قید میں رہے۔اس دوران میں آپ پر مقدمہ چلتا رہا لیکن آخرکار آپ باعزت طور پر رہا ہو گئے۔آپ نے اپنے کام کا دوبارہ آغاز کیا۔حکومت نے آپ کو 'ادرمیت' نامی شہر بھیج دیا۔جہاں سے آپ 'مانیسا' منتقل ہو گئے۔اس کے بعد آپ صوبہ 'ازمیر' کے شہر 'بورنوفا' چلے آئے یہاں آپ نے ۱۹۸۰ء تک قیام کیا۔

اس دوران آپ چلتے پھرتے واعظ کی حیثیت سے ایک ایک شہر کا دورہ کرتے اور مساجد میں لوگوں کو پند و نصیحت کرتے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ علمی، دینی، معاشرتی، فلسفیانہ اور



Marfat.com

فکری موضوعات پر لیکچر دیتے اور خصوصی سیمینارز، مجالس اور اجتماعات کا انتظام کرتے جن میں آپ لوگوں کو اور خصوصاً نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ان سوالات کے جوابات دیتے جن کی وجہ سے وہ دین کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو چکے ہوتے۔ آپ کے جوابات سے لوگوں کی تشفی ہو جاتی اس لئے لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سے راہنمائی لیتے۔

اس جماعت نے کسی مالی یا دنیوی مفاد کی پرواہ کئے بغیر ترکی کے قوانین کے حدود میں رہتے ہوئے مختلف قسم کے مدارس قائم کیے، کتابیں لکھیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن قائم کئے۔ سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد اِن اداروں کا دائرہ کار ساری دنیا خصوصاً وسطی ایشیا کی ان ریاستوں تک پھیل گیا جو ستر سال سے روس کے ملحدانہ اور کمیونسٹ تسلط کا شکار تھیں۔

## مکالمہ

شیخ فتح اللہ نے ۱۹۹۰ء کے بعد مختلف جماعتوں، صحافیوں، تعلیم یافتہ طبقوں اور مذاہب وافکار کے درمیان باہمی افہام وتفہیم اور مکالمے کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی بنیادی خصوصیت نرمی اور ہر قسم کے تعصب اور کشیدگی سے دوری تھی۔ اس تحریک کے اثرات نہ صرف ترکی میں بلکہ ترکی سے باہر بھی محسوس کئے گئے۔ اس تحریک کے اثرات کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوپ کی دعوت پر شیخ فتح اللہ نے ویٹی کین سٹی میں پوپ سے ملاقات کی۔ جس میں شیخ فتح اللہ نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ ذرائع ابلاغ کی ترقی کی بدولت ساری دنیا ایک گاؤں بن چکی ہے اس لیے نزاع اور عداوت پر مبنی کوئی تحریک کسی مثبت نتیجے تک نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا دنیا کے تمام دروازے انسان کے لیے کھلے ہونے چاہئیں۔ اسلام کو ایسے انداز سے نہیں پیش کرنا چاہیے جس سے اس پر دہشت گردی کا لیبل لگے۔ صرف اسلام دشمن عناصر ہی اس طرح کی سوچ رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان تو باہمی تعاون کے وسیع امکانات موجود ہیں۔



Marfat.com

## خدمات

شیخ کی خدمات کا جائزہ درج ذیل نقاط کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

ا: آپ کے خطبات، مواعظ، لیکچرز اور مجالس پر مشتمل ہزاروں کی تعداد میں کیسٹیں موجود ہیں۔

ب: آپ کی طبع شدہ کتب درج ذیل ہیں:

(۱) أسئلة العصر المحيّرة (چار جلدیں)

(۲) الموازين أو أضواء على الطريق (چار جلدیں)

(۳) العصر والجيل

(٤) الانسان فى تيار الأزمات

(٥) نحو الجنة المفقودة

(٦) صفحة الزمن الذهبية

(۷) أنفاس الربيع

(۸) عند ما نقيم معبد روحنا

(۹) النور الخالد: مفخرة الانسانية محمد ﷺ (دو جلدیں)

(۱۰) فى ظلال الايمان

(۱۱) تلال القلب الزمردية (دو جلدیں)

(۱۲) براعم الحقيقة فى جيل الألوان (دو جلدیں)

(۱۳) تأملات فى سورة الفا تحة

(۱٤) من فصل لفصل (چار جلدیں)

(۱٥) المنشور (چار جلدیں)

(۱٦) روح الجهاد و حقيقته فى الاسلام

(۱۷) الحياة بعد الموت

(۱۸) القدر فى ضوء الكتاب والسنة



Marfat.com

(۱۹) طرق الارشاد فی الفکر والحیاة

(۲۰) البعد المیتا فیزیقی للوجود (دو جلدیں)

(۲۱) ریشة العازف المکسورة [مجموعہ اشعار] (دو جلدیں)

(۲۲) تربیة الاطفال

آپ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ انگریزی، جرمن، بلغاری، البانوی، انڈونیشی، روسی اور کوریائی زبانوں وغیرہ میں ہو چکا ہے۔

اردو زبان میں درج ذیل کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں:

۱۔ تقدیر کتاب وسنت کی روشنی میں

۲۔ المیزان یا چراغِ راہ

۳۔ روح جہاد اور اس کی حقیقت

۴۔ اسالیب دعوت اور مبلّغ کے اوصاف

۵۔ اضواءِ قرآن در فلکِ وجدان

۶۔ النور الخالد محمد ﷺ مفخرة الانسانیة

۷۔ روح کے نغمے اور دل کے غم

۸۔ تخلیق کی حقیقت اور نظریہء ارتقاء

آپ کی بقیہ کتب کا اردو ترجمہ بھی ان شاء اللہ جلد شائع ہو جائے گا۔

چونکہ یہ کتاب مساجد میں دیئے گئے مواعظ اور طلبہ ومریدین کے لیے منعقد کی گئی خصوصی مجالس میں سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے جسے مصنف کے شاگردوں نے تحریر کیا اور مصنف کی رضا مندی اور تصحیح کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ اس لیے بعض مقامات پر اس کے اسلوب اور مضامین پر خطیبانہ انداز کی چھاپ بھی نظر آتی ہے۔



Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مکمل نظام زندگی ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔ جس قدر متنوع شعبہ جات ہیں اسی قدر اسلامی نظام اس کے حل پیش کرتا ہے۔ اور محض بنی نوع انسان کی دنیا نہیں بلکہ دنیا و عقبیٰ دونوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ اسلام کے اہم اہداف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو انسانیت کے معراج پر پہنچا دیا جائے۔ اور اسے احسن تقویم میں کامل انسان بنایا جائے۔ جب ہم ایسے معاشرے کا تصور کرتے ہیں جس کے افراد انسانیت کا کامل نمونہ ہوں تو پورے کا پورا معاشرہ ہی کمال کے درجے پر فائز نظر آتا ہے۔ اور ایسے افراد بلاشبہ آسمانی مخلوق یعنی فرشتوں سے بھی بہتر ہوں گے۔ اور اس طرح کے تربیت یافتہ لوگ ہی ہیں جو اس دنیا سے جانے کے بعد ابدی نعمتوں میں رہیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کی مثالیں اسلامی معاشرہ میں قرون اولیٰ سے لیکر اب تک چلی آرہی ہیں اور ان کی اقتداء اور نقل کی جاسکتی ہے۔

البتہ اگر ہم موجودہ دور کا جائزہ لیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ جو لوگ بھی اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ نہ تو اسلام کو مکمل طور پر سمجھ سکے ہیں، نہ ہی تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں اور نہ ہی ان کی اپنی زندگیاں اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ اس کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اللہ کا پسندیدہ اور یگانہ دین ہونے کے باوجود غیر مسلم اس کو اس نظر سے نہیں دیکھتے اور اسلام کے دین الٰہی ہونے کے باوجود اس کو دین الٰہی نہیں سمجھتے۔

اسلام کے معانی، احکام اور متنوع مناہج سمجھنے کے لیے قرون اولیٰ سے لیکر آج تک مطالعہ ہو رہا ہے، نت نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں اور اسلام کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے بحث



Marfat.com

مباحثے ہو رہے ہیں۔جن میں اہل علم بھی شریک ہوتے ہیں اور عوام الناس بھی۔اسلام کے متنوع موضوعات میں سے ایک موضوع جہاد فی الاسلام بھی ہے۔دراصل جہاد سے مراد جدو جہد اور کوشش کرنا ہے؛ اس معنی کے لحاظ سے مسلمان مرد خواتین ،نوجوان بوڑھے سب کی ذمہ داری ہے کہ جہاد کریں۔حالات وواقعات کے مطابق جہاد کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔کبھی تو جہاد فرض ہو جاتا ہے، کبھی واجب اور کبھی مباح ہوتا ہے۔

حدیث شریف کی روشنی میں جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ایک جہاد نفس کے خلاف ہوتا ہے اور یہ جہاد اکبر کہلاتا ہے۔اور دوسرا جہاد وہ ہے جو دشمنوں کے خلاف طاقت کے استعمال سے عبارت ہے اسے جہاد اصغر کہتے ہیں۔جہاد اصغر کے موضوع پر قرون اولیٰ سے اسلام دشمنوں کے ساتھ علمی سطح پر بھی بحث مباحثہ جاری ہے۔اوران کا اعتراض یہ ہے کہ ایسا نظام جو انسانیت کو اخلاقی کمال پر پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے وہ نظام اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں کو قتل کرنے کا حکم کیسے دیتا ہے۔عورتوں کو گرفتار کرنے ،کھڑی فصلوں کو تباہ کرنے اور نسلوں کو ختم کرنے کا حکم کیسے لگاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر یہ لوگ ذرا گہرائی سے غور کریں، انصاف سے کام لیں اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ یہ تنقید کس قدر غلطی پر مبنی ہے۔انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایسا نظام ہے جو انسان کو بہت قلیل وقت میں انسانیت کی حقیقی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام صدر اول سے لیکر اس وقت تک اپنے دشمنوں کے ساتھ نزاعی کیفیت میں ہے۔اور بوقت ضرورت اسلام قوت سے اپنا دفاع بھی کرتا ہے۔اسلام اپنے آغاز ہی سے چاروں طرف سے دشمنوں کے حصار اور نرغے میں تھا۔اس کے لیے پھیلنا پھلنا مشکل تھا اور اس حصار کو توڑنے کے لیے مسلح جدو جہد تو ضروری تھی۔اپنے موقف کی بیرونی دنیا میں وضاحت کے لیے اسلام کو مجبوراً جنگ وجدل کا راستہ اختیار کرنا پڑا تا کہ باہر نکل کر دنیا کو اپنی حقیقت بتا سکے۔اسلام اپنے صدر اول میں ایک طرف یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے حصار میں تھا تو دوسری طرف بیرونی مشرک رومی اور ایرانی بھی اس کو اپنے لیے چیلنج سمجھ رہے تھے۔



Marfat.com

ایک طرف مذہبی تعصب (جیسا کہ آج بھی ہے) اور دوسری طرف یہ اعتراض کہ نبی نے ظاہر ہونا ہی تھا تو یہود و نصاریٰ میں کیوں نہیں ظاہر ہوا اور پھر مادی مراعات اور ذاتی منفعتوں کے ختم ہو جانے کے ڈر اور دیگر اسباب کی بنیاد پر اسلام سے بدترین دشمنی چل نکلی۔

دوسری جانب اہل عرب کی مذہبی اخلاقی اور معاشرتی حالت بھی ایسی نہ تھی کہ اس پر رشک کیا جا سکے۔ اسلام کے ساتھ دشمنی کی وجوہات میں سے کچھ وجوہات یہ بھی تھیں: قبائلی تعصب، باطل عقائد کی اندھی تقلید، چیزوں کے اچھا برا ہونے پر پہلے سے ہی حکم لگانا، معاشرتی بگاڑ، یہودیوں کا اکسانا، دینی احکام کے نفاذ کی مشکلات، بدو اور اعرابی جو اسلام کو اپنا دشمن سمجھ بیٹھے تھے وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ کے زیادہ تر غزوات اسی طرح کے مشرکین اور بت پرستوں کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے۔

جہاں تک جزیرۃ العرب سے باہر رومیوں اور ساسانیوں کے ساتھ مقابلہ کا تعلق ہے تو وہ اس وقت شروع ہوا جب اسلام جزیرہ میں اقتدار حاصل کر چکا تھا۔ اور روز بروز پھیل رہا تھا۔ اس پھیلنے کی وجہ سے دشمن کا پریشان ہونا طبعی امر تھا کیوں کہ جو لوگ اپنی عقل کو محض دنیوی زندگی کے مفادات کی حد تک استعمال کرتے ہیں اور مادی فائدوں کو ہی دنیوی زندگی کی اساس سمجھتے ہیں انکی دشمنی فطری بات ہے جبکہ اسلام تو دنیا کی موجودہ حالت اور مستقبل کو بھی سرے سے تبدیل کرنے کے لیے آیا تھا یہ تو ایک انقلاب عظیم تھا۔

مسلمانوں نے کبھی (چاہے صدر اول کا زمانہ ہو یا بعد کے زمانے ہوں) جہاد کے دوران کسی پر ظلم نہیں کیا کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ کھیتوں اور سبزہ زاروں کو نقصان نہیں پہنچایا، شہروں اور آبادیوں کو نقصان نہیں پہنچایا، مقابلہ کرنے والوں کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کیا اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی غزوات سے بھرپور ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں دونوں طرف مقتولین کی تعداد ۴۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب غزوات الرسول میں یہ تحقیق کی ہے۔ اس کے علاوہ ترکی عہد جو ۹ سو سال پر محیط ہے، اس میں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ اسلام مسلح جدوجہد کی اجازت دیتا ہے لیکن اس جہاد کی درج ذیل صورتوں میں



Marfat.com

اجازت ہے:

۱۔ مسلمانوں کے دین جان مال اور نسل کی حفاظت کے لیے۔

۲۔ آزادی فکر کی حفاظت کے لیے۔

۳۔ باہمی معاہدات پر عمل کرانے کے لیے۔

۴۔ مسلمانوں اور ذمیوں کو ظلم سے بچانے کے لیے۔

اس سے زیادہ صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔قرآن کریم تو انتہائی سخت حالات میں بھی جنگ سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. " (الانفال:۶۱)

''اگر دشمن صلح اور سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔''

اور فرمایا:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً. " (البقرہ:۲۰۸)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

اسلام تو متعین شرائط کے ساتھ جنگ کی اجازت دیتا ہے تاکہ اسلام عالمی امن کا ذریعہ بن سکے۔

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کو یہ حقائق سمجھانے سے قاصر رہے ہیں۔جن حقیقتوں کو ہم نے یہاں نظری طور پر بیان کیا ہے ان کو مسلمان چودہ صدیوں سے عملی جامہ پہنا رہے ہیں اور تاریخ نے ان کو محفوظ کر لیا ہے۔کاش کہ ہم ایک بہترین مورخ کے اسلوب میں ان حقائق کو بیان کر سکتے۔جو مسائل ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں اور جو نہیں کیے ان سب کی وضاحت کرنا مسلم مفکرین کی بھاری ذمہ داری ہے اور جو کتاب ہمارے سامنے موجود ہے (روح جہاد اور اس کی حقیقت) ہم امید کرتے ہیں کہ شاید کسی حد تک یہ اس خلا کو پر کر سکے۔



Marfat.com

روح جہاد اور اس کی حقیقت ،اس قدر وسیع موضوع ہے کہ مختلف جہات سے اس کی وضاحت ہوسکتی ہے۔جیسا کہ مصنف نے پہلی فصل تمہید میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔اگر ہم اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں تو اس کام کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی ،اگر چہ ان موضوعات پر کثیر تعداد میں کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں،اور ترجمہ بھی ہو چکی ہیں۔اس بنا پر اس کتاب میں جہاد کے متعین موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔جیسا کہ ہمارے استاد محترم نے تمہید میں اس کا ذکر کیا ہے۔اسلام کا معنی ہی سلامتی ہے جنگ نہیں۔ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ جنگ تو اپنے دفاع کے لیے،ظلم کے خاتمہ اور دعوت وتبلیغ کی آزادی کے لئے لڑی جاتی ہے۔

یہ کتاب ان مسلمانوں کو مخاطب کرتی ہے جن کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

اسکی فصلیں درج ذیل ہیں:

وظائف الجہاد یعنی جہاد کے میدان اور جہات، جہاد کا ماحصل، جہاد کے راستے کی رکاوٹیں، عشاق جہاد یعنی وہ لوگ جو جہاد کے میدان میں دور حاضر کے لیے نمونہ ہیں، ہمارے موقف کی تائید کے لئے کافی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والے کے لیے مذکورہ موضوعات پر یہ کتاب کافی ہوگی۔

''روح جہاد اور اس کی حقیقت'' چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

ا۔ پہلی فصل میں کتاب وسنت کی روشنی میں جہاد کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔نیز جہاد اصغر اور جہاد اکبر کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے۔اس موضوع پر اچھی خاصی تحقیق کی گئی ہے اور اس کی وضاحت کی ضرورت بھی تھی کیونکہ ان دونوں اصطلاحات کو مختلف معانی پہنا دیے جاتے ہیں اور ان پر عمل کرنے میں گمراہی کا خطرہ رہتا ہے۔مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاد اکبر ہی جہاد ہے،اور کوئی جہاد نہیں ہے۔وہ صرف مجاہدہ نفس کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور لوگوں کو دعوت حق دینے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اپنی دنیا میں مگن ذکر واذکار کرتے رہتے ہیں۔جبکہ ایک دوسری انتہا یہ ہے کہ بعض لوگ جہاد اصغر کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور دشمن کے ساتھ براہ راست جنگ کے علاوہ کسی کام کو جہاد نہیں سمجھتے



Marfat.com

یہاں تک کہ اس مبالغہ کی وجہ سے فرض عبادات تک چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

اس لیے دونوں جہادوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔طوالت کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ اس میں بے جا طوالت نہیں بلکہ موضوع کی اہمیت اور حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس کی ضرورت تھی تا کہ دور حاضر کا قاری قرون اولیٰ کی مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی میں اس کو نافذ کرے۔اسی مقصد کے لیے اس فصل کو باقی فصلوں سے زیادہ جگہ دی گئی ہے۔

۲۔ دوسری فصل جہاد کے میدان اور اور جہات ہے۔

یعنی دنیوی لحاظ سے جہاد کی مختلف جہات کا تذکرہ ہے۔مثلاً جہاد کی اہمیت کے موضوع پر ''جہاد زندگی کا سرچشمہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔مصنف اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب سے ہم نے جہاد ترک کر دیا تو ہمارے اندر فرقہ بندی اور تخریبی کارروائی نے پروان چڑھنا شروع کر دیا۔دور حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر دھڑے بندیاں، فساد، گروپ بازی وغیرہ جیسی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں اور یہ انہی جہنمی پودوں حنظل اور زقوم کے زہریلے پھل ہیں جو جہنمی بیج سے پروان چڑھے ہیں۔جو بیج اس دور میں مسلمانوں میں ڈال دیے گئے ہیں۔اس پژمردہ حالت سے نکلنے کا جہاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔جہاد مومن کی زندگی کا اعلیٰ مقصد اور روایت ہے اور اس کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دینا چاہیے۔

۳۔ تیسری فصل ''جہاد، مومن اور کائنات کا تعلق'' کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔اس میں ثابت کرتے ہیں کہ مومن پر جہاد کی یہ ذمہ داری اس لیے ڈالی گئی ہے کہ زمین پر ایسی حاکمیت قائم کی جائے جو حق، آزادی اور انصاف پر مبنی ہو۔اور مومنین کے فرائض میں شامل ہے کہ اس طرح کی حاکمیت اور اقتدار قائم کیا جائے۔یا اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس حاکمیت کا قیام اللہ تعالیٰ کے طے شدہ منصوبہ میں شامل ہے لیکن مومنین کے ہاتھوں سے اس نے روبہ عمل آنا ہے۔اس لحاظ سے ہر مومن کو یقین رکھنا چاہیے کہ یہ کام اس پر واجب ہے، اور اسی نے اسے انجام دینا ہے۔یعنی اس کام کو کرنے کے لیے اس کو فکری طور پر بھی سرگرم رہنا ہوگا اور حقیقی زندگی میں اس فکر کو نافذ کرنے کی سعی کرنا ہوگی۔اس



Marfat.com

فصل میں اسی موضوع کو نبی ﷺ کے عہد سے ملانے کے لیے انہوں نے حضرت انس بن نضرؓ اور براء بن مالکؓ کی مثالیں بیان کی ہیں۔

۴۔ چوتھی فصل ''جہاد کا ماحصل'' اس فصل میں جہاد سے حاصل ہونیوالے فوائد کے علاوہ ان تباہ کاریوں اور مصیبتوں کا بھی ذکر ہے جو جہاد نہ کرنیکی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

اس فصل میں اور اس طرح دیگر فصلوں میں بھی ان لوگوں کے لیے ہدایات ہیں جو دعوت الی اللہ کی عظمت کو محسوس کرتے ہیں۔ بلا شبہ ان ارشادات کی بہت بڑی اہمیت ہے اور خاص طور پر ایسے وقت میں جب یہ ارشادات منصۂ شہود پر آئے۔ یہ ۱۹۸۰ء کا وہ زمانہ تھا جب اصل دہشت گردی نے مسلمان ممالک پر اپنے استبدادی پنجے گاڑھنے کا آغاز کیا۔ جب دہشت گردی ہمارے ملکوں میں دندناتی پھرتی تھی اور اندرونی و بیرونی خلفشار نے فتنوں کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ ہر روز بیسیوں نوجوان قتل ہوتے تھے۔ امن وامان کے بارے میں بات تک کرنا عبث تھا۔ نہ تو جان سلامت تھی نہ مال۔ تجارتی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں۔ دوکانداروں کا دوکانوں پر جانا محال تھا اور جو چلے جاتے خطرات کے پیش نظر بند ہی رکھتے۔ ایسے حالات میں ہمارے استاد محترم نے جامع مسجد بورنوا (ازمیر) میں لوگوں کی امیدوں کو چار چاند لگائے اور اس قدر جامع ارشادات فرمائے جنہوں نے ناامید روحوں میں ایک جذبہ پیدا کر دیا۔ بلا شبہ اس علاقے میں امن وسلامتی اور نظام کی بحالی ان کی کوششوں اور نیت خالص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آج جو بھی انارکی، لاقانونیت، طوائف الملوکی اور دہشت گردی ہمارے ملک میں ہے یہ دراصل باہر سے دشمن کی پھیلائی ہوئی ہے۔ سامراجی قوتیں چاہتی ہیں کہ اس جنت نظیر ملک کو جہنم بنا دیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ لاقانونیت اور دہشت پسند اختلافات اور بدامنی کے بیج بو کر ملک کو نوآبادی میں تبدیل کر دیا جائے لیکن یہ تبدیل کرنا اتنا آسان نہیں البتہ بیرونی طاقتیں یہی چاہتی ہیں۔ وہ تو چاہتی ہیں کہ اس ملک پر قبضہ کیا جائے۔ نوآبادی بنا کر اس کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا جائے اور جو دہشت پسند بدنظمی پھیلا رہے ہیں، یہ سب انہیں سامراجی قوتوں کے ایجنٹ



Marfat.com

ہیں (یہاں دہشت گرد سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جنہیں امریکہ، مغربی طاقتیں اور مغربی میڈیا دہشت گرد کہتا ہے۔)

اللہ کے حکم سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ اوران کی بری چال خودان کو لے ڈوبے گی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دہشت گردوں اور بدنظمی پھیلانے والوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی صورت میں ہم اپنے ہدف سے بہت دور ہوتے جارہے ہیں۔

سامراجی قوتیں بھی تو یہی چاہتی ہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ ایسے دن نہ آجائیں کہ جب مسلمانوں کی قوت وشوکت ایک بار پھر لوٹ آئے۔ جب ایسا ہوگا تو دہشت گرد ایسے بھاگیں گے جیسے جنگلی گدھے شیروں سے بھاگتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ (سورۃ المدثر: ۵۰۔۵۱)

ایک اور بات انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان کو اگر جہاد کرنے یا بدامنی کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہو تو ملکی فوج کے ساتھ مل کر یہ کام کرے۔ کسی بھی ظلم اور بیرونی یا اندرونی یورش کا خاتمہ کرنے کے لیے اسے ملکی سکیورٹی فورسز کے ساتھ مل کر کوشش کرنا چاہیے۔ یہ اس پر واجب ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے اور حکومت کو چاہیے کہ اس کو بھرتی کرے اور اس سے کام لے۔ یہ کام حکومت کے کام میں اس کی مدد شمار ہوگا۔ اگر کوئی حکومتی سطح سے ہٹ کر از خود یہ کام کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک انارکی کو مٹانے کے لیے دوسری انارکی پیدا کر لی۔ مومنین کو ایسی نازک صورت حال کا ادراک کرنا چاہیے۔ دہشت پسندی اور لاقانونیت کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کو جڑوں سے ختم کرنا ہے۔

اس حدیث کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جو استاد محترم نے بیان کی۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود دور حاضر کے لیے بے پناہ دروس و ہدایات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نے بیع عینہ شروع کر دی (یعنی ایسی تجارت جس میں کوئی چیز وقت مقررہ کے لیے بیچ کر کم قیمت پر اس سے دوبارہ خریدنا شامل ہے۔) اور تم نے بیلوں کی دمیں پکڑ لیں اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے اور جہاد کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت و



Marfat.com

مسکنت مسلط کر دے گا جو اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ۔(۱)

۵۔ پانچویں فصل کا عنوان ہے جہاد کی راہ میں رکاوٹیں۔اس فصل میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے،مسلمانوں میں موجود بعض کمزوریوں کا ذکر ہے۔اس فصل میں بعض ایسے مسائل کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے جو امت میں موجود ہیں یا فطرت انسانی کی وجہ سے پائے جاسکتے ہیں۔انسانی فطرت کی بعض گمراہیوں کا تذکرہ ہے جو کسی بھی وقت انسان کو بگاڑ کی طرف لے جاتی ہیں جیسے کہ خواہشاتِ نفس اور آرام طلبی۔اس میں کوئی بحث نہیں کہ آرام طلبی اور مرغوباتِ نفس میں غرق ہو جانا ایسا براجراثیم ہے جو روح جہاد کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں۔

یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے ان جذبات،احساسات اور قوت کو اس رب کے راستے کی طرف بلانے کے لیے استعمال کرے جس پر وہ ایمان لایا ہے اور اس کی رضا حاصل کرے۔اگر ایسا کرے گا تو دین بھی غالب آئے گا اور انسان بھی کامیاب ہوگا۔اس فصل میں انہی مذکورہ بالا رکاوٹوں کا مختلف جہات سے تذکرہ کیا گیا ہے۔اور اس میں قرون اولیٰ کے خیر الناس کی ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جن سے ہماری امیدوں کو جلا مل سکتی ہے اور ہمارے ارادے اور پختہ ہوسکتے ہیں۔

٦۔ چھٹی اور آخری فصل کا عنوان ہے"عشاق الجہاد"۔ اس فصل میں ان پاک طینت صحابہ کرام کی زندگیوں سے مثالیں لی گئی ہیں جو ہمارے لیے ہر لحظہ مشعل راہ ہیں۔چونکہ صحابہ کی زندگیاں ہمارے لیے فخر وافتخار اور اعزاز واکرام کی علامت ہیں۔اس فصل میں بہتر تو یہ تھا کہ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وقف کر دی تھیں لیکن اس طرح کی مختصر کتاب میں عملاً ان کا تذکرہ نہیں ہوسکتا تھا۔اس لیے مصنف نے چند صحابہ کرام کو منتخب کر کے جہاد کے بارے میں ان کی آراء بیان کی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے جہاد کی مثالیں بھی دی ہیں۔روح جہاد اور اس کی حقیقت،اور اس طرح کی دیگر کتب جیسے"نور ابدی"اور"قدر قرآن وسنت کی روشنی میں"ہمارے استاد محترم محمد فتح اللہ گولن

۱) ابوداؤد۔البیوع:۵٦۔مسند احمد:۲/۴۲



Marfat.com

نے لکھی ہیں۔ یہ تمام وہ وعظ ہیں جو آپ نے ۱۹۸۰ء سے پہلے ارشاد فرمائے۔ یہ کتاب انہی وعظوں اور خطبوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے بورنوا ضلع ازمیر میں دیے۔ ان خطبات کو جمع کر کے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ پہلے ان خطبوں کو ٹیپ میں ریکارڈ کیا گیا پھر ان کو کتابی شکل دی گئی۔ استاد محترم نے بعد میں خود ضروری تصحیح کے بعد ان خطبات کو جریدہ الزمان میں قسط وار شائع کرا دیا اس کے بعد جب ان خطبات کو کتابی شکل میں شائع کرانے کا موقع آیا تو آیات کریمہ اور احادیث نبویہ کو تحقیق و تخریج کے بعد عربی متن کے ساتھ کتاب میں شامل کر لیا گیا۔ کتاب روح جہاد اور اس کی حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ اور ہم آخر میں اپنے استاد محترم کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے تاکہ وہ مزید اسی قسم کی کتب ہماری تربیت کے لیے لکھ سکیں نیز ہم ان سب حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس عظیم خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مدد کی اور حصہ لیا۔

احمد قورو جان

۱۹۹۶/۳/۲۱ استنبول



96984

Marfat.com

# تمہید

بالعموم جہاد کا معنی ''اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں جنگ اور جدوجہد'' کیا جاتا ہے۔ یہ جنگ اور کشمکش آدمؑ کے بیٹوں سے شروع ہوئی اور تاقیامت جاری رہے گی۔ظاہر ہے ہابیل اور قابیل کے درمیان ہونے والی لڑائی اس کشمکش کا نقطہ آغاز ہے۔لغوی طور پر جہاد بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔اس کے معنی ہر زمان و مکان کے معروضی حالات کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔کبھی تو اس سے مراد انتہائی قیمتی مال خرچ کرنا ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد جان تک قربان کرنا ہوتا ہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہاد کو محض دشمن سے جنگ اور لڑائی سمجھنا دراصل اس لفظ کے وسیع ترین معانی کو بالکل محدود کرنے کے مترادف ہے۔

دور حاضر کے مخصوص اور متمیز حالات کی وجہ سے دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔اور اس دور میں جہاد کا مفہوم وسیع تر ہو چکا ہے۔ذرائع ابلاغ اور مواصلات کی حیران کن ترقی کی وجہ سے عالمی قوتوں کا توازن بھی بڑی حد تک متاثر ہو چکا ہے۔اس لحاظ سے آج جہاد کے معنی ومفہوم اور اغراض میں تبدیلی نہیں بلکہ محض انداز میں تبدیلی آئے گی۔

محترم بدیع الزمان سعید نورسی نے جہاد کی اصطلاح میں ایک اور اہم پہلو کا اضافہ کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ پڑھے لکھے باشعور لوگوں پر زبردستی غلبہ نہیں پایا جائے گا بلکہ انہیں اپنے موقف پر قائل کرنا ہوگا۔(۱)

اب حالات کچھ ایسے ہیں کہ خودساختہ فلسفوں اور عقل پرستی نے مغرب کے علاوہ عالم اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ایسے حالات میں ایسے لوگوں کو جہاد کے ان معانی کہ ذریعہ اسلامی عقیدہ پر قائل نہیں کیا جا سکتا جن میں قتال اور لڑائی مراد لی جاتی ہے۔بلکہ اسلام اور دیگر خودساختہ

---

۱) سیرۃ ذاتیہ لبدیع الزمان سعید نورسی: ص ۹۵



Marfat.com

نظریات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے مخالفین کو بات چیت اور مکالمہ کے ذریعے قائل کرنے کا اسلوب اپنایا جائے گا۔

جہاد کسی بھی نوعیت کا ہو مردوں اور عورتوں پر بیک وقت فرض ہے۔ ہر وہ مسلمان مرد اور عورت جو مکلّف ہونے کی شرائط پوری کرتا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس پر جہاد فرض ہوتا ہے۔ اور اس طرح کی مثالوں سے قرون اولیٰ کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اور اگر ہم قریب ترین زمانے سے اس کی مثال لینا چاہیں تو ہمیں اناطولیہ اور چناق قلعہ کے معرکوں کا مطالعہ کرنا ہوگا وہاں مرد اور خواتین دونوں جہاد میں شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ بوڑھے اور بچے بھی ہلکے ہوں یا بوجھل اللہ کے راستے میں نکل کھڑے ہوئے۔

احادیث نبویہ میں جہاد کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ جہاد اکبر اور جہاد اصغر۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قسمیں ایک تصویر کے دورخ ہیں۔ جہاد اکبر سے مراد انسان کو انسانیت کی حقیقی بلندیوں پر ذہنی اور روحانی طور پر سرفراز کرنا ہے، یعنی انسان ساری زندگی اپنے نفس کے خلاف برسرپیکار رہے۔ ہر لحاظ سے اپنے آپ کو درست کرے۔ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے سفر حضر ہر حال میں صرف وہی کام کرے جس سے اللہ کی ذات راضی ہو۔

جبکہ جہاد اصغر اس کوشش کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنی جان و مال سے اسلامی مقدسات کی حفاظت کے لیے کوشش کرے، چاہے اس مقصد کے لیے دشمن سے مڈبھیڑ ہو اور براہ راست لڑائی کرنی پڑے۔ ان مفاہیم کی روشنی میں جہاد اکبر وہ کام ہے جو انسان کو ساری زندگی کرنا پڑتا ہے۔ وہ جہاں ہو جس حال میں ہو اسے جہاد اکبر کرنا ہے جبکہ جہاد اصغر اسی وقت درپیش ہوتا ہے جب اس کی ضرورت پڑے۔ اور اس کا خاص وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد ختم بھی ہو سکتا ہے۔ دراصل جہاد اصغر کے لیے انتہائی بنیادی شرط ہی ایسی ہے جس کا ہونا جہاد اکبر کے لیے بھی ضروری ہے۔ انسان اس وقت تک فتح کا مزہ نہیں چکھ سکتا جب تک ان حقائق کو اپنی زندگی کا حصہ نہ بنا لے جن کے ذریعے وہ کسی بھی میدان میں قابل قدر کارکردگی دکھا سکتا ہے۔ اس لیے میدان جہاد میں اترنے والے



Marfat.com

بہادروں کو چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کے خلاف جہاد کریں اور اسے جاری رکھیں تا کہ آخرت میں سرخرو ہوں اور ان کے درجات آخرت میں بلند ہوتے رہیں چاہے وہ اس دنیا ہی میں ہوں۔ اس کے بعد ان کے لیے ضروری ہے کہ دلوں میں موجود حق و سچ کی پیاس بجھانے کے لیے ہنگامی کوشش کریں۔

تاریخ کی کتب کی صفحہ گردانی کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا وہ اسی راستے کے راہی تھے۔ انبیاء سے لیکر اصفیاء و اولیا تک بلکہ یوں کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ سے لے کر امام ربانی اور شیخ جیلانی اور مولانا خالد اور بدیع الزمان سعید نورسی تک تمام عالی شان حضرات نے یہی اسلوب اختیار کیا تھا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام میں قوت و تاثیر پیدا کی۔ وہ لوگوں کے دلوں میں صدیوں سے زندہ ہیں۔ ان کے اچھے اعمال اور پاکیزہ اور خوبصورت اذکار کی وجہ سے اللہ نے مؤمنوں کے دل ان کے لیے کھول دیے۔ گویا ان کی نیکیوں کا دفتر ہمیشہ کے لیے کھلا ہے۔ جہاد کا معاشرے سے بھی گہرا تعلق ہے اور وہ معاشرے کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ یہ جہاد کا انتہائی اہم پہلو ہے۔ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے اس کی اکائی کہلاتا ہے۔ اور معاشرہ افراد کے مجموعہ سے بنتا ہے۔ ایسا معاشرہ جس کا ہر شخص جہاد بالنفس میں مشغول ہو اور اس فریضہ کو ادا کر رہا ہو وہ بہترین، مکمل اور کامیاب معاشرہ ہوتا ہے۔ ایسے معاشرہ میں زمانے کے حوادث اور مصائب کا مقابلہ کرنے کی پوری طاقت ہوتی ہے کیوں کہ اس معاشرہ کے تمام افراد نے تیاری مکمل کی ہوتی ہے۔ مادی اور معنوی لحاظ سے اس نے ٹریننگ اور تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔ اور جسمانی اور ذہنی طور پر تیار رہتا ہے۔ اب ایسے معاشرے کو اہداف کے حصول سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں لوگوں کو دعوت و تبلیغ کی ضرورت نہ ہو۔ چنانچہ ایسے مسلمان مؤمن جوان لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں جو گمراہی کی وادیوں میں بھٹک کر اطمینان کا راستہ تلاش کر رہے ہیں اور نہ نظر آنے والی چیز کے لیے اپنی زندگیاں ضائع کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ فریضہ جہاد کی ادائیگی انہیں ہر حال میں کرنا ہے، کیوں کہ یہ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ان مؤمنوں کا یہ فرض ہے، اس پہ مستزاد یہ کہ یہ فریضہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر عائد کیا ہے۔ پس ہر شخص



Marfat.com

اپنے دائرے کے اندر امکانی حد تک اس فرض کو ادا کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو حشر کے روز اس کو سخت حساب کتاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو کسی بھی حال میں دنیا کے اندر اسلام کے کردار کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ صدر اول سے لے کر اموی، عباسی اور عثمانی ادوار میں مسلمانوں نے دنیا میں اپنا لوہا منوایا۔ پھر بھی یہ لوگ حقائق سے اپنی آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ اب ان سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ یہ اپنے تصور و خیال میں کوئی مثبت تبدیلی لائیں گے۔ دور حاضر کا جائزہ لیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اسلام دشمن ہیں، مسلسل دشمنی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان دشمنان اسلام کا حال یہ ہے کہ دوہرا معیار اپناتے ہیں۔ اسلام میں ان کو تمام چیزیں غلط نظر آتی ہیں کہیں مثبت چیز نظر نہیں آتی۔ آئے روز اہل مغرب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ ان گنت غلط الزام لگاتے ہیں، غلط مضامین شائع کرتے ہیں تاکہ اسلام کے خلاف مواد سارے عالم میں پھیلا سکیں۔ پھر لوگوں سے اس کی تصدیق کرواتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اصل مسئلہ اسلام اور عیسائیت کا نزاع ہے۔ عرصہ دراز سے ان کا یہی حال ہے۔ ان ظالموں کی نظر میں مسلمان وحشی، درندے، قاتل اور جنگلی ہوتے ہیں۔ افسوسناک بات یہ کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ بھی ان کی افتراء پردازیوں کے قائل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بہت کم تعداد میں ہیں۔

جہاد کے جامع مفاہیم کی وضاحت ہم اپنی کتاب ''نور ابدی'' اور ''محمد ﷺ فخر انسانیت'' میں کر چکے ہیں۔ ہم نے بڑی تفصیل سے عہد نبوی ﷺ سے مثالیں دے دے کر موضوع کی وضاحت کی اور مغرب کی طرف سے جہاد پر اٹھنے والے اعتراضات کے مؤثر جواب دیے ہیں۔ اس لیے دوبارہ اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے اس کتاب میں وضاحت کر دی ہے کہ اسلام سلامتی ہے جنگ نہیں ہے۔ جنگ تو اپنے دفاع، ظلم کے خاتمے اور دعوت و تبلیغ کی آزادی کے لیے کی جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

جہاد محض نظری موضوع نہیں ہے بلکہ یہ آغاز اسلام سے آج تک ہر زمانے میں ایک عملی مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ اہلِ ایمان نے بہترین انداز میں اس پر عمل پیرا ہو کر دکھایا ہے۔ قابل ذکر



Marfat.com

بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی فتح و کامیابی حاصل کی چاہے وہ کامیابی مکمل ہو یا نامکمل، کبھی مغلوب بھی ہوئے لیکن صحابہ کرامؓ ہر زمانے کے لیے مثال اور اسوہ ہیں۔ وہ اسلام میں اس قدر بلند و بالا مقام پر فائز ہیں کہ ان تک بعد میں آنے والا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ جو لوگ صحابہ کرامؓ کو اپنے لیے مثال بناتے ہیں جیسا کہ ارشاد رسول ﷺ بھی ہے کہ جو لوگ اس راستے پر چلے جس پر صحابہ چلتے تھے تو اللہ کے حکم سے روز قیامت بھی ان کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

زیر نظر کتاب میں ہم اسلام میں جہاد کے مفہوم پر بہترین عملی مثالیں ذکر کریں گے۔ جہاں تک جہاد کے حکم کا تعلق ہے تو اسلامی احکامات کی روشنی میں حالات کی مناسبت سے جہاد کا حکم بدلتا رہے گا۔ اگر کسی گوشہ زمین پر ذکر الٰہی کو بھلا دیا گیا۔ اللہ کے اوامر و نواہی کو دیوار پر دے مارا گیا اس حالت میں اہل ایمان پر جہاد فرض عین ہوگا بلکہ افضل الفرائض ہوگا۔ بطور خاص ایسے معاشرے میں جہاں کی جماعتیں اور ادارے اس مفہوم کو بھول چکے ہیں۔ اگر کچھ جماعتیں اور ادارے یہ فریضہ پورے اہتمام اور نظم ضبط کے ساتھ ادا کر رہے ہوں تو جہاد فرض کفایہ ہوگا۔

اب ہم کتاب کی فصلوں کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ اس کا آغاز جہاد کے لفظی معنی، اصطلاحی معنی، ، تعریف اور مضمون سے ہوگا جو چھوٹے چھوٹے مختصر جملوں پر مشتمل ہوگا۔



Marfat.com

Marfat.com

# پہلی فصل

## جہاد کا معنی و مفہوم



Marfat.com

Marfat.com

# جہاد کیا ہے

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ (ج ہ د) ہے اس کا مطلب ہے جدو جہد کرنا اور کوشش کرنا۔ اسکا دوسرا معنی ہے کسی معلوم ہدف کے حصول کے لیے ہر قسم کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے حتی الوسع کوشش کرتے رہنا اور یہی مفہوم جہاد کے شرعی مفہوم سے قریب تر ہے۔

ظہور اسلام کے بعد جہاد کا مفہوم ایک اور خصوصیت اختیار کر گیا۔ یعنی انسان کی اپنے رب کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے ایک اصطلاح اور شعار کی صورت اختیار کر گیا۔ دور حاضر میں جب بھی جہاد کا نام لیا جاتا ہے تو ذہنوں میں اس لفظ کا یہی مفہوم ابھرتا ہے۔

''جہاد'' فی سبیل اللہ در حقیقت دو محاذوں پر روبہ عمل آتا ہے ایک داخلی جہاد اور دوسرا خارجی جہاد: داخلی جہاد سے مراد انسان کا خود اپنے آپ کو پہچاننا اور رب سے ملانا ہے، جبکہ خارجی جہاد سے مراد ہے دوسرے لوگوں کو ان کی ذات اور رب سے ملانا، پہلی قسم کو جہاد اکبر اور دوسری قسم کو جہاد اصغر کہا جاتا ہے۔ یعنی سب سے پہلے انسان خود کو سمجھے اپنے آپ اور اپنے نفس کے درمیان موجود رکاوٹوں کو عبور کرے یہاں تک کہ معرفت الٰہی، محبت الٰہی اور روحانی مٹھاس کو پالے۔ جبکہ دوسری قسم میں ایسی تمام رکاوٹوں کو دور کرنا ہوتا ہے جو انسانیت اور ایمان باللہ کے درمیان حائل ہوں چاہے یہ رکاوٹیں پیہم جدو جہد سے دور ہوں یا قتال سے، تاکہ انسان کو اللہ سے ملا دیا جائے، اللہ کی پہچان اور معرفت کے اعلیٰ درجات تک پہنچایا جائے۔ اور پھر جہاد تو انسان کی پیدائش کا اصل مقصد ہے، زمین پر جہاد سے زیادہ افضل کوئی کام نہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو یہ ذمہ داری دے کر نہ مبعوث کرتا کیونکہ آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام انبیاء واصفیاء بالعموم اس عظیم مرتبہ پر جہاد ہی کی وجہ سے فائز ہوئے۔ بعض نے تلواروں کے سائے میں رہ کر اور بعض نے محاسبہ نفس کے ذریعہ یہ مرتبہ پایا۔ بلا عذر جہاد میں شریک نہ ہونے والوں اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں میں بڑا واضح فرق ہے جن کو جہاد کے علاوہ کوئی اور عمل نہیں روکتا۔ اسی بات کی



Marfat.com

وضاحت درج ذیل آیت کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: " لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا. (النساء:۹۵)

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

نبی کریم ﷺ جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لَوَدِدْتُ اَنِّى اُقْتَلُ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ "

میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔(۱)

اللہ ہی جانتا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کو طوالت کلام کا اندیشہ نہ ہوتا تو کتنی مرتبہ یہ الفاظ دہراتے رہتے۔ اس حدیث کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ کے راستے میں شہادت کی تمنا ان گنت مرتبہ آپ نے کی۔ یہ بھی قابل غور بات ہے کہ یہ آرزو اور تمنا کرنے والی ذات سید المرسلین اور امام الأنبیاء ہے، ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

"رِبَاطُ يَوْمٍ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا وَالرَّوْحَةُ يَرُوْحُهَا الْعَبْدُ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا "

۱) مسلم الامارہ: ۱۰۳۔۱۰۶، البخاری، الایمان: ۲۶، النسائی، الجہاد: ۳۰، ابن ماجہ، الجہاد: ۱



Marfat.com

محاذ جنگ پر ایک دن پہرہ دینا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے، جنت میں ایک کوڑے کی جگہ بھی پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے۔شام کے وقت یا صبح کے وقت اللہ کے راستے میں جو بندہ جہاد کرتا ہے اس کا یہ عمل پوری دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔(۱)

## جہاد حکم الٰہی

تاریخی تناظر میں اگر ہم (جہاد حکم الٰہی) کا خلاصہ بیان کریں تو ہمیں ان اولین پاک طینت اصحاب کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنا ہوگا جنہیں صحابہ کرام بننے کا شرف حاصل ہے۔

واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے سابقین اولین مسلمانوں کو اس قدر ستایا گیا کہ ان کی برداشت جواب دے گئی اسی لیے تو ان کو مکہ چھوڑنے یعنی ہجرت کرنے کا حکم دے دیا گیا(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات میں ان کا جہاد ہجرت ہی تھا اور فی الحقیقت کچھ عرصہ بعد ایسے ہی ہوا اور ہر وہ شخص جو بیعت کرتا اس کے لیے پہلی شرط یہ ہوتی کہ ہجرت کرے گا۔

چنانچہ ہجرت حبشہ کے بعد مکہ مکرمہ میں موجود تمام مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی (۵) اور پھر مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد جہاد نے ایک اور رنگ اختیار کرلیا۔ جہاد کی ماہیت اور کیفیت میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ حالات و واقعات کے مطابق جہاد کے انداز بدلتے ہیں۔اصل کام یہ ہے کہ پورے اہتمام کے ساتھ انتہائی سنجیدگی سے اس پر عمل کیا جائے۔یہ جہاد بعض حالات میں انتہائی سرعت طلب ہوتا ہے اور کبھی بہت سست رفتار۔کبھی اس کو روکنا پڑتا ہے کبھی انتہائی سرعت سے اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔یہ سب کچھ جہاد کی حکمت عملی میں تبدیلی کی جانب اشارہ کرتا ہے اس لیے حکمت یہی ہے کہ حالات حاضرہ کے مطابق اس کے عملی انداز میں تبدیلی لائی جائے۔

---

۱) بخاری. الجهاد: ٧٣. مسند احمد: ٣٣٩/٥

۲) البدایه و النهایة لابن کثیر: ٦٤/٢



Marfat.com

جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمان بالکل خاموش رہے۔ کبھی انہوں نے ظلم و زیادتی کا جواب نہ دیا اپنے حقوق غصب ہونے پر کوئی آواز نہ اٹھائی۔ مقابلہ کرنا تو در کنار ایذاء برداشت کرتے رہے اور کبھی مقابلے کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ کافر ہمیشہ برسرپیکار رہے اور ظلم ڈھاتے رہے جبکہ مسلمانوں نے جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ ہجرت کے بعد بھی ایک مدت تک یہی حال رہا۔ اب فریق مظلوم کو قرآن کی زبان میں جہاد کی اجازت مل گئی ارشاد باری تعالے ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج: ۳۹-۴۰)

"اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔"

جن لوگوں کو اب تک تلوار استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی اب اسلحہ سے لیس تھے اور پورے جذبات سے اپنی حفاظت کے لیے حکم الٰہی پر عمل کر رہے تھے اور اس موقع کے انتظار میں تھے کہ کب اس اجازت کو عملی جامہ پہنا دیں۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جہاد کی نہ صرف یہ کہ اجازت باقی رہی بلکہ حکم الٰہی آ گیا کہ جہاد کرو۔ اب ہر مسلمان کو بہر صورت اللہ کی راہ میں ہتھیار اٹھانا تھا۔ اب مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جب



Marfat.com

بدر کے میدان کی طرف رواں دواں تھے تو اس قدر خوشی سے لبریز تھے گویا جنت کی طرف جا رہے ہوں اور جنت ان کو پکار رہی ہو، جان و مال قربان کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ان کے اندر شوق شہادت جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا اس لیے تو کوئی بھی مسلمان میدان جہاد سے پیچھے رہنا گوارا نہ کرتا تھا سوائے ایسے منافقین کے جو مجاہدین کی صفوں میں گڑبڑ پھیلاتے رہتے تھے۔ منافقین بعض اوقات مخلص مسلمانوں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو لڑتا چھوڑ کر عین محاذ جنگ سے واپس آئے کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور داخل نہیں ہوا تھا۔ ان کے ضمیروں کو ایمان نے فتح نہ کیا تھا، اپنی ایک ذات کو بچانے کے لیے مجاہدین کو بھڑکتی آگ میں چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے صرف اس لیے کہ یہ لوگ گھٹیا ارواح اور نفسانی خواہشات کے غلام تھے۔

سچے مؤمن جن کے قلب و روح میں اسلام راسخ ہو چکا تھا کبھی پیچھے نہیں ہٹے جب انہیں جہاد کی خبر ملی اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے دوڑ پڑے تا کہ اللہ سے مل جائیں اور جو لوگ جہاد کی منادی ہونے کے بعد پیچھے ہٹے رہے مردود رہے۔ درحقیقت وہ حق کو نہ پہچان سکے اور ان کے ضمیر اور ارواح ایمان کا مزہ نہ چکھ سکیں۔ یقیناً مؤمن مجاہد بھی عام انسانوں کی طرح انسان ہیں وہ بھی موت سے ڈرتے ہیں جیسے کوئی بھی شخص ڈرتا ہے خود قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ . (البقرة: ۲۱۶)

"تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند ہو اور وہی تمھارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس فطری کمزوری کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بلا حیل و حجت رسول اللہ ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے اور دل میں ذرا برابر میل پیدا کیے بغیر اپنے آپ کو رسول اللہ



Marfat.com

ﷺ کے سپرد کر دیتے۔ اسی لیے ان کے اخلاص اور تسلیم کی وجہ سے اللہ کی رحمتیں اور مہربانیاں پے در پے ان پر نازل ہوتیں۔ ایک کے بعد دوسرے میدان میں انہیں فتوحات نصیب ہوئیں۔ آئے روز مسلمانوں کی قوت میں مسلسل اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کی فتوحات کی خوشخبریاں جنگل کی آگ کی طرح قبائل میں پھیل گئیں۔ ان پر ایک طرف مسلمان خوش اور دوسری طرف یہ خبریں کفار کے لیے پریشانی کا باعث بنیں۔



Marfat.com

# جہاد کی اقسام

## ۱۔ جہاد اکبر اور جہاد اصغر۔

جہاد اصغر محض اسی جہاد کو نہیں کہتے جو محاذ جنگ پر روبہ عمل آتا ہے۔ یہ مفہوم تو جہاد کے وسیع افق کو تنگ کر دیتا ہے۔ جہاد اصغر کا میدان بہت وسیع ہے۔ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس قدر وسیع معنی رکھتا ہے کہ شاید ایک لفظ بولنا یا مسکرانا یا خاموش رہنا یا نفرت کا اظہار کرنا یا کسی مجلس کو چھوڑنا یا کسی مجلس میں شامل ہونا الغرض ہر ایسا کام یا ہر ایسی حرکت جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو اللہ کی محبت میں یا اللہ کی خاطر نفرت کرنے کے لیے ہو یہ سارا جہاد اصغر ہے۔ چنانچہ ہر ایسی کوشش جو معاشرے کی اصلاح کے لیے ہو، زندگی کے کسی بھی شعبہ سے اس کا تعلق ہو، معاشرے کی کسی بھی اکائی کی بہتری کے لیے ہو، یہ سب کچھ جہاد میں شامل ہے۔ یعنی اہل خانہ، قریبی اور دور کے رشتہ داروں، برادری والوں کی بہتری کے لیے جو جدوجہد کی جائے گی جہاد اصغر کے زمرے میں آئے گی۔ جس قدر سرزمین کی وسعت ہے اسی قدر جہاد اصغر کے میدانوں اور شعبوں میں بھی وسعت ہے۔

ہاں، کسی نہ کسی لحاظ سے جہاد اصغر کو مادی منفعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے مادی جہاد کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاد اکبر روحانی اور معنوی جہاد ہے۔ اس میں انسان اپنے نفس اور اپنے جسم کے اندر جہاد کرتا ہے۔ اگر یہ دونوں جہاد بیک وقت عمل میں آئیں تو گویا جہاد کا حق ادا ہو گیا اور ایک مناسب و مطلوب توازن پیدا ہو گیا۔ اور کسی ایک میں غیر مناسب کمی بیشی ہو گئی تو گویا روح جہاد کا توازن برقرار نہ رہا۔ پس مومن تو ایسا انسان ہے جو اس جہاد کو متوازن انداز میں ادا کرنے کے لیے اپنی زندگی کے اہداف متعین کرتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے یہ جہاد چھوڑ دیا تو اسکی زندگی،



Marfat.com

زندگی نہیں رہے گی۔ مومن کی مثال تو ایک پھل دار درخت کی ہے جو اس وقت تک اپنے آپ کو زندہ اور تروتازہ رکھتا ہے جب تک اس پر پھل لگا رہتا ہے۔ جب پھل ختم ہوتے ہیں تو وہ خزاں آلود ہو جاتا ہے۔

اگر آپ ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں تو ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کو پائیں گے کہ جہاد چھوڑ چکے ہیں اسی لیے تو مولائے کریم نے بھی ان پر اپنا فیضان کم کر دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حق کی تبلیغ بند کر دی ہے۔ ایسے لوگوں کا اندر اندھیر نگری بن چکا ہے۔ پتھر دل اور خشک مزاج ہو چکے ہیں۔ انکے مقابلے میں مجاہدین کو دیکھیں تو وہ ہشاش بشاش ہیں۔ خدمات کا جذبہ لیے ہوئے ہیں۔ وہ اندر سے نور سے بھرے ہوئے ہیں۔ انکے جذبات میں زندگی اور خدا ترسی ہے۔ وہ ہمیشہ فرد کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ جی ہاں ہر جہاد سے ان کے ہاں اور جہاد پیدا ہوتا ہے۔ ہر بھلائی ایک اور بھلائی کا ذریعہ بنتی ہے۔ چنانچہ وہ خیر و بھلائی کے میدانوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ درج ذیل آیت کریمہ ہمارے جذبات کو اس حقیقت کی طرف موڑتی ہے۔

وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

(العنکبوت: ۶۹)

''جو لوگ ہماری خاطر جہاد کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔''

## ب۔ اللہ کی طرف لے جانے والے راستے

اللہ کی جانب لے کر جانے والے راستے اللہ کی مخلوقات کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی راستوں میں سے کسی ایک یا متعدد راستوں کے ذریعے ان لوگوں کو اللہ کی معرفت بیان کرتے ہیں لیکن وہی لوگ اس راستے پر کامیابی سے چلتے ہیں جو خود اس کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ خیر کے تمام راستے سمجھا دیتے ہیں اور شر کے راستوں سے خبردار کرتے ہیں۔



Marfat.com

اللہ کا راستہ تو سیدھا راستہ ہے جس نے اس راستے کو پا لیا اس نے صراط مستقیم پالیا۔ یہی درست راستہ ہے۔ یہ راستہ میانہ روی پر مبنی ہے۔ یہ قوت غضب، قوت عقل اور شہوات نفس کو افراط و تفریط سے نکال کر میانہ روی پر لاتا ہے۔ اسی لیے یہ راستہ جہاد و عبادت میں بھی میانہ روی سکھاتا ہے، مؤمن کا جہاد اور عبادت بھی میانہ روی پر مبنی ہوتی ہے یعنی اللہ تعالی نے انسان کو اپنا سیدھا اور درمیانہ راستہ **الطریق الوسط** دکھایا ہے۔

بیرونی جہاد بہر حال جہاد اصغر ہی کہلائے گا اگر چہ اس میں ہر نوع کی قربانی اور ایثار ہے۔ اس کو جہاد اکبر کی نسبت سے تو جہاد اصغر کہا جاتا ہے لیکن یہ کوئی معمولی اور چھوٹا جہاد نہیں ہے بلکہ اصل میں تو جہاد اصغر اور اکبر کا ہدف اور مقصد تو اعلیٰ ہوتا ہے۔ جہاد اصغر نام سے تو چھوٹا ہے لیکن ہر ایک مجاہد اس لیے جہاد کرتا ہے تا کہ جنت میں چلا جائے اگر وہ شہید ہو جائے تو ابدی جنتوں میں جائے گا اور پھر جہاد اصغر ہو یا اکبر دونوں کا مقصد تو اللہ کی رضا کا حصول ہے اس قدر عظیم نتائج کا حامل جہاد کبھی بھی چھوٹا نہیں ہو سکتا۔

جہاد اصغر سے مراد ہر وہ ذمہ داری ادا کرنا ہے جس کا انسان کو مکلّف بنایا گیا ہے البتہ جہاد اکبر اس لیے بڑا ہے کہ اس میں ہر اس خواہش، اور انسانی کمزوری کے خلاف اعلان جنگ ہوتا ہے جو انسان کے نفس کو کمال تک نہیں پہنچنے دیتی جیسے حسد، بغض، کینہ، تکبر، غرور اور انانیت وغیرہ۔ یہ ایسی رکاوٹیں ہیں جو انسان کے نفس امارہ میں جبلی طور پر موجود ہیں اور یہ پیہم و مسلسل جہاد ہے جو درحقیقت بہت مشکل ہے۔ اسی لیے اسے جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

جس شخص کو اس قسم کے مسائل کا سامنا ہو اور چاروں طرف سے غلط افکار و خیالات نے اسے گھیرا ہو اور اس کی اخلاقی زندگی مفلوج ہو چکی ہو تو نفس کے خلاف واقعی جہاد کے بغیر انسان اپنی عملی زندگی کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اسی لیے تو اس سب سے بڑی مشکل کی طرف اللہ کے رسول نے ایک غزوہ سے واپسی پر اشارہ فرمایا کہ" ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ کر آئے ہیں"(۱)

---

۱) البدایة و النهایة : ۱۶۷/۲



Marfat.com

اس حدیث شریف سے مراد ہے کہ ہم ایمان لائے اور جہاد اور غزوات میں شریک ہو کر ہمیں عزت و شرف حاصل ہوا اور مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اس کامیابی اور افتخار کے بعد ممکن ہے ہمارے نفس امارہ میں شہرت، آرام طلبی اور خود پسندی آجائے اپنے آپ پر غرور بھی آسکتا ہے، نفس امارہ سے ہوتے ہوئے مختلف بیماریاں ہماری روحوں میں سرایت کرسکتی ہیں اور انھیں گمراہ کرسکتی ہیں۔ المختصر یہ کہ ہلاکت سامانیاں بہت زیادہ ہیں جن کا سامنا جہاد اصغر کے بعد کرنا ہوگا اسی لیے حسّی اور جسمانی جہاد اور جنگ کے بعد جس جنگ کا سامنا ہے وہ زیادہ خطرناک ہے۔ اس اندرونی دشمن کے خلاف دفاع کو مضبوط کرنا ہوگا اور ہمیشہ اس سے متنبہ رہنا ہوگا یہی جہاد اکبر ہے۔

اس حدیث شریف کے اولین مخاطب بلاشہ صحابہ کرام ہی تھے لیکن وہ بھی اس میں شریک ہیں جو صحابہ کے بعد آئے اور انہی میں ہم سب شامل ہیں۔ اس لیے ہمیں بڑی احتیاط برتنی چاہیے محض خارجی جہاد ہی کے لیے سرگرم رہنا اور اپنے نفس امارہ کا محاسبہ نہ کرنا درحقیقت بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہے۔

## ج۔ نبی ﷺ کے خاص معاملات

عہد رسالت یعنی خیر القرون کے لوگ دن کی روشنی میں شیر کی طرح بہادری کی داستانیں رقم کرتے لیکن جیسے ہی رات سایہ فگن ہوتی ایسے ہو جاتے جیسے یہ بالکل دنیا سے کٹے ہوئے عابد زاہد ہیں۔ پوری پوری رات عبادت، ذکر، تسبیح اور نمازوں میں گزر جاتی جیسے وہ سارا دن فارغ آرام کر رہے تھے اور رات کو جاگتے ہیں اور انہوں نے مقتل کا منہ ہی نہیں دیکھا یہ تو کوئی راہب زاہد ہیں جن کا دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ انداز انہوں نے خود نبی کریم ﷺ سے سیکھا تھا یہاں ہم سیرت طیبہ سے چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (اور وہ خود بھی شیر خدا اور بہادر تھے) جب جنگ خوب گرم ہوتی اور دشمن سے مکمل مڈبھیڑ ہوتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کا سہارا تلاش کرتے آپ سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی دشمن



Marfat.com

کے قریب تر نہ ہوتا۔(۱)

غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ اپنی خچر کو دشمن کی طرف مسلسل بھگا رہے تھے حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی تو میں اسے روکتا تھا تا کہ زیادہ تیز نہ دوڑے اور ابو سفیان بن حارث اس کے آگے تھے آپ اس خچر سے نیچے اترے اور مدد کی دعا کی اور فرمایا "انا النبی لا کذب أنا ابن عبد المطلب" میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔

آپ ﷺ کی زندگی شجاعت بھرے واقعات سے بھری پڑی ہے اور شجاعت و بہادری میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، لیکن یہ تو دن بھر کا کام تھا رات کی تاریکیوں میں عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تو بندگی کا حق ادا کر دیتے اس قدر رقت طاری ہوتی کہ

"وَفِی صَدْرِهٖ اَزِیْزٌ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ"

آپ کے سینے کے اندر سے گڑگڑانے کی آوازیں نکلتیں پاس کھڑا ہونے والا آپ کی آہیں سنتا۔(۲)

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے. آپ روزے رکھتے تو لوگ سمجھتے کہ شاید آپ ہمیشہ روزہ ہی رکھتے ہیں کبھی تو ساری رات آپ عبادت میں کھڑے رہتے اور پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ راتوں کو قیام کرتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے۔

یَا رَسُولَ اللّٰہِ اَتَصْنَعُ هٰذَا، وَقَدْ غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ؟

ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں یا رسول اللہ، اللہ تعالی نے آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

---

۱) تاریخ بغداد للبغدادی: ۵۲۳/۱۳، کشف الخفاء للعجلونی : ۱/ ۴۲۴، ۴۲۵۔

۲) مسند احمد: ۱/۱۵۶، مسند ابویعلی: ۱/۲۵۸۔



Marfat.com

"اَفَلَا أحبُ أنْ اَكُوْنَ عَبْداً شَكُوراً"

کیا میں پسند نہیں کرتا کہ شکر گزار بندہ بن جاؤں۔(۱)

غار ثور میں آپ اس حالت میں تھے کہ زندگی اور موت بالکل آمنے سامنے تھیں، مشرکین غار کے دھانے پر کھڑے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انتہائی خوف زدہ تھے۔ خوف اپنی جان کا نہ تھا بلکہ رسول اللہ کی زندگی کا تھا۔ ڈر تھا کہ ابھی ہمیں دشمن دیکھ لے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کمال سکون واطمینان سے فرمایا:

"یَاأبابکْرٍ ما ظَنُّك بِاثنَین اللّٰهُ ثالثُهما .... لاتَحزَن انّ اللّٰه معنا"

اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو۔۔۔؟ فرمایا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔(۲)

یہ وہ محسن انسانیت ہیں کہ خوف ان کے قریب سے بھی نہیں پھٹکا لیکن قرآن سنتے ہیں تو ان کا دل کانپ جاتا ہے، آنسو پھوٹ کر نکل پڑتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ سانس اکھڑ جائے گی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تلاوت کرو میں سنوں گا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول میں آپ کو سناؤں حالانکہ آپ کے اوپر تو نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں پڑھو۔ تو میں نے سورہ نساء شروع کر دی جب اس آیت پر پہنچا

"فَكَيْفَ اِذَاجِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا" (النساء:۴۱)

"اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے۔"

آپ نے فرمایا:

---

۱) بخاری، التهجد: ۶ مسلم، المنافقون: ۷۹، ۸۱ ترمذی، الصلاة: ۱۸۷.

۲) مسلم، فضائل صحابہ: ا ترمذی، تفسیر سورہ توبہ (۹) مسند احمد ۱/۴۔



Marfat.com

"حسبُک الاٰنَ. فالتفتُّ الیه فاذَا عَیناهُ تَذرِفان"

"رک جاؤاب، میں نے آپ کے چہرہ انور کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔"(۱)

آپ زندہ دل اور بیدار ضمیر کے مالک تھے ہر نوع کے جسمانی و روحانی مجاہدے میں سب سے آگے تھے۔ جب آپ اپنی امت کو توبہ استغفار پر ابھارتے تو خود پہل کرتے فرمایا:

"وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً"

خدا کی قسم میں دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔(۲)

امت کو استغفار پر ابھارنے کا کس قدر شاندار انداز ہے۔ بلاشبہ جو جہاد اکبر کے میدان میں کامیاب رہا، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ جہاد اصغر میں بھی بہادری کی تاریخ رقم کرتا ہے۔ لیکن جو آدمی جہاد اکبر میں ناکام رہا وہ بالعموم جہاد اصغر میں بھی نمایاں مقام حاصل نہیں کرسکتا۔ اس طرح کے لوگ وہ ہدف حاصل نہیں کرسکتے اگرچہ کسی حد تک قریب پہنچ بھی جائیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ہمیں آپ ﷺ کی کوئی ایسی بات بتائیں جو سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آبدیدہ ہوگئیں اور فرمایا آپ کا ہر کام ہی پسندیدہ تھا۔ ایک رات میرے پاس آئے اور ابھی میرے پاس بیٹھے ہی تھے کہ فرمایا میں اپنے رب کی عبادت کرلوں؟ (کیا اندازِ محبت کہ بیوی سے پوچھ کر عبادت کرتے ہیں) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ مجھے اللہ کی قسم ہے کہ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرے پاس رہیں اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ عبادت کریں۔ آپ اٹھے مشکیزہ لیا بہت کم پانی سے وضو کیا پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ آپ نے رونا شروع کردیا یہاں تک کے داڑھی مبارک تر ہوگئی۔ پھر سجدہ میں گئے اور سجدہ کی جگہ تر ہوگئی۔ نماز کے بعد پھر ایک پہلو پر ہو کر لیٹ گئے اور روتے رہے۔ صبح ہوگئی بلال صبح کی نماز کا بتانے آئے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کو کس چیز نے رلایا آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ

---

۱۰) بخاری، تفسیر سورہ نساء (۴) مسند احمد ۱/۴۳۳، دلائل النبوة، البیهقی: ۱۰/ ۲۳۱.

۱۱) بخاری، الدعوات، ترمذی تفسیر سورہ محمد (۴۷) ،ابن ماجه ،الأدب ۵۷، مسند احمد ۲/ ۲۸۲.



Marfat.com

اللہ نے بخش دیے ہیں آپ نے فرمایا: تیرا برا ہو اے بلال، مجھے کس چیز نے روکا ہے کہ میں نہ آنسو بہاؤں آج رات تو میرے اوپر یہ نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آل عمران:۱۹۰)

''زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کی باری باری آنے میں ہوشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

پھر فرمایا:

''وَیْلٌ لِمَنْ قَرأَهَا وَلَمْ یَتفکَّر فِیْهَا''

اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس نے اس کو پڑھا اور غور فکر نہ کیا۔(۱)

کبھی کبھار آپ ﷺ اہل خانہ کو جگائے بغیر ہی اٹھ جاتے اور وضو کر کے عبادت کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کہتی ہیں ایک رات آپ کو میں نے یہ دعا کرتے سنا:

''اَللّٰهُمَّ! اَعُوذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوبَتِکَ وَاَعُوذُبِکَ مِنکَ لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ . اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.''

اے اللہ میں تیری سختی سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں (یعنی تیرے قہر سے تیری مہربانیوں کی تیرے جلال سے تیرے جمال کی تیرے جبر سے تیری رحمت اور رحیمی کی پناہ لیتا ہوں) میں تیری ثناء تیری بیان کردہ ثناء جیسی نہیں کرسکتا۔ جیسی تو نے اپنے لیے کی ہے۔(۲)

---

۱) صحیح ابن حبان ۳۸۶/۲الجامع لاحکام القرآن،للقرطبی ۳۱۰/۴،تفسیر ابن کثیر ۱۶۴/۲

۲) مسلم .الصلاۃ :۲۲۲، أبو داود،الصلاۃ :۱۴۸،الترمذی.الدعوت:۷۵،النسائی .الطهارۃ:۱۱۹



Marfat.com

یہ رسول کریم ﷺ ہیں اور یہ ان کا جہادِ اکبر ہے اور یہ ان کی عظمت شان ہے۔

## د۔ صحابہ کرام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نبی اکرم ﷺ کے نقش پا پر چلنے کی حتی الوسع کوشش کرتے۔ ہمیشہ اسی انداز میں زندگی بسر کرتے جیسے وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر اس دنیا میں ان کی رفاقت اور اتباع کی تو آخرت میں بھی ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔ حضرت ثوبانؓ کے دل میں ایک روز یہ خیال آیا کہ نبی کریم ﷺ کی رفاقت ختم ہو جائے گی تو پھر کیا حال ہوگا۔ ان کے دل پر اس شعور فراق نے اس قدر گہرا اثر کیا کہ دنیا کی رغبت ہی ختم ہو گئی۔ دنیا ان پر تنگ ہو کر رہ گئی ہر وقت غمگین رہتے۔ ایک غزوہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نہ پائے گئے تو واپسی پر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ ان میں ثوبانؓ بھی تھے ان کا رنگ زرد تھا جسم لکڑی بنا ہوا تھا سوائے چمڑے اور ہڈی کے کچھ باقی نہ تھا۔ نبی رحیم وکریم نے پوچھا ثوبان یہ کیا حال بنایا ہوا ہے؟ ثوبانؓ نے عرض کیا میں نے ایک معاملہ کے بارے میں سوچا تو میرا یہ حال ہو گیا۔ یعنی میں نے سوچا میں نبی اکرم ﷺ کے بغیر تین دن تک نہیں رہ سکتا تو ہمیشہ کا فراق کیسے برداشت کر سکوں گا۔ اگر میں جنت میں بھی چلا گیا تو بھی میں عام لوگوں کی جنت میں ہوں گا۔ اور نبی اکرم ﷺ تو جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر ہوں گے۔ تو اس صورت میں بھی میں نبی ﷺ کے پاس نہیں ہوں گا۔ جب میں نے اس بارے میں سوچنا شروع کر دیا تو میرا رفتہ رفتہ یہ حال ہو گیا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے کافی شافی جواب دیا۔ فرمایا:

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ"

"انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہو۔" (۱)

کسی کی محبت کا اظہار اس کے نقش قدم پر چلنے ہی سے ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ یہ بات سمجھ چکے تھے اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر مکمل عمل کرتے تھے۔

---

۱) مسلم. البر. ۱۶۵، ترمذی، الزہد ۵۰، مسند احمد ۱/۳۹۲



Marfat.com

جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی یگانگت یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں ہم غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ مشرکین کی ایک عورت زخمی ہوگئی۔اس وقت اس کا شوہر موجود نہ تھا۔جب نبی اکرم ﷺ واپس ہوئے تو اس کا شوہر بھی آ گیا اور اس نے اپنی بیوی کو دیکھ کر کہا کہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک محمد کے ساتھیوں میں سے کسی نہ کسی کا خون نہ بہا دوں۔وہ مجاہدین کے قافلے کے پیچھے پیچھے چل دیا۔نبی کریم ﷺ نے قافلے کے ساتھ ایک جگہ پڑاؤ کیا تو فرمایا آج رات کون پہرہ کے فرائض سرانجام دے گا۔یہ سنتے ہی ایک شخص مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے رضا کارانہ طور پر تیار ہو گیا۔اور کہنے لگے یارسول اللہ ہم تیار ہیں۔آپ نے فرمایا گھاٹی کے دہانے پر رہنا۔کہتے ہیں لوگ گھاٹی سے نیچے وادی میں چلے گئے۔جب یہ دونوں دہانے پر پہنچے تو انصاری نے مہاجر سے کہا تم رات کے پہلے حصے میں پہرہ دو گے یا آخری حصے میں۔مہاجر نے کہا میں آدھی رات کے بعد پہرا دوں گا چنانچہ مہاجر لیٹا اور سو گیا۔انصاری نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ادھر سے وہ آدمی پہنچ گیا جس نے بیوی کا بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی۔انصاری کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ پہرے کے لیے کھڑا ہے۔اس نے ٹھیک نشانے پر تیر لگایا۔تیر انصاری کو لگا اور انہوں نے جسم سے تیر کھینچ کر نکالا اور نیچے پھینک دیا اور اسی طرح کھڑے رہے۔پھر اس نے دوسرا تیر مارا وہ بھی نشانے پر لگا انصاری نے وہ بھی جسم سے کھینچ کر نکال دیا اور اپنی تلاوت جاری رکھی اس شخص نے تیسرا تیر مارا اور انصاری نے پھر ایسے ہی کیا اور رکوع میں چلے گئے پھر سجدے میں گئے۔نماز کے بعد مہاجر ساتھی کو جگایا جبکہ انکا خون بہہ رہا تھا۔ادھر اس آدمی نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔اور سمجھ گیا کہ ان پہراداروں نے اسے دیکھ لیا ہے تو فرار ہو گیا۔ادھر مہاجر نے انصاری کو خون میں لت پت دیکھ کر کہا سبحان اللہ آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا۔انصاری نے کہا میں ایک سورۃ الکہف کی تلاوت میں مشغول تھا۔میں اسے ختم کرنے سے پہلے بس نہیں کرنا چاہتا تھا۔جب پے در پے تین تیر لگے تو میں نے رکوع کر لیا اور اللہ کی قسم اگر مجھے اس فریضہ کا ڈر نہ ہوتا جو اللہ کے رسول ﷺ نے میرے سپرد کیا ہے تو میں سورۃ ختم کیے بغیر رکوع میں نہ جاتا چاہے اس میں میری جان ہی چلی جاتی۔(۱)

---

۱) مسند احمد ۳/۳۴۳، ۳۵۹، دلائل النبوۃ بیہقی ۳/۳۷۸، ۳۷۹، حیاۃ الصحابہ کاندھلوی ۱/۴۸۱، ۴۸۲



Marfat.com

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابی قرآن کی تلاوت میں دنیا سے کٹ گئے تھے گویا قرآن نے ان پر قبضہ کرلیا ہے یا ان ہی پر نازل ہو رہا ہے جیسے جبریل ان کے دل پر کلمات الٰہی پھونک رہے ہوں۔ اور وہ وجد میں انہیں قبول کر رہے ہوں۔ اس قدر محو تھے کہ جسم میں پیوست ہونے والے تیر کا درد محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ یہی جہاد اکبر اور جہاد اصغر کا عملی اظہار ہے۔ بلکہ یہی تو حقیقی جہاد ہے۔

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سے کہا ابا جان اللہ نے فراخی کا سامان کیا ہے۔ آپ کے ہاتھ پر ملک پہ ملک فتح ہو رہے ہیں اور مال و اسباب کی فراوانی ہے کیوں نہ آپ پہلے سے اچھا کھانا کھائیں اور پہلے سے بہتر کپڑے پہنیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا! ذرا تم خود بتاؤ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کس قدر کٹھن تھی۔ یہی بات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ حضرت حفصہ رو پڑیں۔ پھر فرمایا اے حفصہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ اگر یہ ممکن ہو تو میں ان دونوں یعنی رسول اکرم ﷺ اور ابوبکرؓ جیسی سخت اور کٹھن زندگی گزاروں تاکہ شاید آخری زندگی میں انہی دونوں کے ساتھ مل جاؤں۔ (۱)

رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کا حال تو یہ تھا کہ ہمیشہ تعلق باللہ کو نمایاں رکھتے۔ اسی کو ترجیح دیتے۔ ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت عبادت اور ذکر میں مشغول رہتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ شاید یہ دنیا سے کٹے ہوئے ہر وقت ذکر و اذکار اور عبادت میں لگے رہتے ہیں جبکہ درحقیقت وہ ساری عبادات کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی معاملات اور کاروبار زندگی بطریق احسن انجام دیتے تھے۔

ان پر اخلاص و خلوص کے مبالغے ختم تھے۔ کوئی بھی کام کرتے تو اس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی مقدم ہوتی۔ ہر کام سے پہلے یہ دیکھتے کہ اللہ کیا چاہتا ہے۔ سیدنا عمرؓ کو دیکھیے ایک روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ آناً فاناً خطبہ بند کر دیا اور منبر سے اتر آئے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا عمر تم وہی ہو جو اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ پوچھا گیا اے خلیفۃ المومنین آپ نے یہ بات کیوں کہی؟ فرمایا: میرے ذہن میں یہ بات آ گئی تھی کہ میں خلیفہ ہوں۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ سیدنا عمرؓ اپنے کندھے پر پانی کا مشکیزہ اٹھائے جا رہے ہیں

---

۱) حلیہ الاولیا۔ابو نعیم ۱/۴۸۔۴۹، طبقات کبریٰ،ابی سعد ۳/۲۷۷۔۲۷۸



Marfat.com

میں نے کہا امیر المومنین آپ کیوں پانی اٹھائے جا رہے ہیں۔ فرمایا میرے پاس وفود آئے جو انتہائی با ادب سر جھکائے آئے اور بیٹھے رہے تو میرے دل میں بڑائی کا جذبہ ابھر آیا میں نے اسکو ختم کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے۔(۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک دن خطبہ اس لیے بند کر دیا کہ ان کے دل میں آیا کہ میں کتنا اچھا خطبہ دے سکتا ہوں اور ایک مرتبہ ایک خط لکھا جو خود انہیں بہت پسند آیا۔ آپ نے اسے بھی پھاڑ دیا اور کہا اے اللہ میں اپنے نفس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

یہی وہ پاک طینت حضرات ہیں جو روحانی بلندیوں پر پہنچے اور کامل انسان ثابت ہوئے۔ اسی لیے ان کا جہاد بے ثمر نہ رہا۔

بلکہ دنیا نے ان سے ہدایت حاصل کی کیونکہ وہ سارے کام محض اللہ کے لیے کرتے تھے۔ اس لیے جو لوگ ہر قسم کی نیکی و جہاد دکھاوے لیے کرتے ہیں اپنے باطن کی اصلاح نہیں کرتے۔ ریاکاری، خود پسندی، غرور و تکبر وغیرہ سے باز نہیں آتے۔ انکے کام تعمیری سے زیادہ تخریبی ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے کارناموں کے اشتہار لگ جائیں مگر اللہ کے ہاں انہیں کچھ بھی نہیں مل سکتا کچھ بھی نہیں۔

## ۵۔ اللہ کی عنایت کا بلاوا

قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر دونوں جہادوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اور سورۃ النصر میں تو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ فرمایا

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا o فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا o۔

(سورۃ النصر: ۱ تا ۳)

"جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح نصیب ہو گئی اور (اے نبی) نے دیکھ لیا کہ تم

۱) مدارج السالکین۔ ابن القیم ۲/۳۳۲۔



Marfat.com

دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

اس میں واضح خوشخبری ہے کہ جب لوگ جوق در جوق دین اسلام قبول کریں گے اللہ کی نصرت اور فتح نصیب ہوگی۔ اور جب جہاد اصغر کی وجہ سے دشمن کی رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کے امور میں رکاوٹ نہ ہوگی۔ لوگ کثیر تعداد میں آپ کے ساتھ آ جائیں گے، تو پھر حکم الٰہی یہ ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو کیوں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر انعامات کی بارش کی ہے، یہ اسی کا احسان ہے۔ سب کچھ اسی کی عطا ہے۔ جو انسان بیرونی دشمن پر غلبہ پا لے اسے چاہیے کہ اندرونی دشمن پر بھی غلبہ حاصل کرے اور اسکو بھی زیر کر لے تا کہ حقیقی طور پر جہاد مکمل ہو سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اکثر ان کلمات کا ورد کرتے رہتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ أَتُوبُ اِلَیْہِ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوبُ اِلَیْکَ. (۱)

ایک حدیث میں رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے جہاد اکبر اور اصغر کو ان الفاظ میں جمع کر دیا فرمایا:

عَیْنَانِ لَا تَمَسُّھُمَا النَّارُ عَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَعَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ.

دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی ایک وہ آنکھ جو خوف خدا کی وجہ سے آنسو بہاتی ہے اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں پہرہ

۱) مسلم، صلاۃ. مسند احمد ۶/۳۴



Marfat.com

دیتی ہے۔(۱)

بلاشبہ جو آدمی محاذ جنگ پر بارڈر کے علاقے میں دشمن کے دوبدو انتہائی خطرناک حالات میں پہرہ دینے کے لیے جاگتا رہتا ہے۔ وہ خارجی جہاد کرتا ہے۔ اس کی آنکھ کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ اور دوسری وہ آنکھ یعنی وہ شخص ہے جو معنوی و باطنی اور داخلی جہاد کرتا ہے۔ اس کی آنکھ تنہائی میں اللہ کے خوف سے ٹپکتی ہے۔ نبوی بشارت کی روشنی میں ان دونوں آنکھوں کو آتش دوزخ نہیں چھو سکتی۔ ان دونوں آنکھوں کو دوزخ کی آگ بالکل اس طرح نہیں لگ سکتی جیسا دوہا ہوا دودھ تھنوں میں واپس نہیں جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس پر گردوغبار پڑتا ہے۔ اسے دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ کئی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دوزخ کی آگ اور یہ گردوغبار اور مٹی جو اللہ کی راہ میں مجاہد پر پڑتی ہے کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ان آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی جو اللہ کی خشیت سے بہہ پڑتی ہیں اور وہ جو محاذ جنگ پر انتہائی خطرہ کے وقت دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے مستعد رہتی ہیں۔

جو شخص اپنے آپ کو ان مشکلات کے لیے تیار رکھتا ہے جو ملکوں کے ملکوں کو تباہ کر دیتی ہیں اور بڑے بڑے ادارے بنانے کی کوشش کرتا ہے، جہاں امت کے فرزندوں کی تربیت کی جائے ایسی تربیت جو انسانیت کے لائق ہے اور اپنے آپ کو دوسروں کے آرام کے لیے بیدار رکھے اور دوسروں کا بھلا سوچے۔ ایسے لوگوں کی آنکھوں کو آگ نہیں چھو سکتی۔ جو صرف زبانی کلامی جہاد کرتے ہیں اور جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں، وہ لوگ محض وقت ضائع کرتے ہیں اور اپنے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے نفسوں کی تربیت نہیں کرتے اپنے آپ کا ہر دم جائزہ نہیں لیتے، دکھاوے کو ختم نہیں کرتے، فخر و تکبر کو ختم نہیں کرتے ان کے دلوں سے غرور نہیں نکلتا۔ ان کے اعمال بالکل بے فائدہ ہیں۔ وہ محض اپنے آپ کو تھکاتے اور مشکل میں ڈالتے ہیں۔

دوسری جانب لوگ صرف جہاد اکبر کے قائل ہیں میدان جنگ میں نہیں جاتے خانقاہوں میں ہی بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ معنوی اور باطنی صفائی پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں جہاد بالنفس مکمل

---

۱) ترمذی فضائل الجہاد ۱۲ کنز العمال ۳/۱۴۱۔



Marfat.com

ہونے تک جہاد بالغیر نہیں کریں گے۔ایسے لوگ غلط فہمی میں ہیں۔دراصل وہ خود جہاد اکبر کا نقصان کر رہے ہیں کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس سے جہاد اکبر کی بلندیوں تک پہنچا جاسکتا ہے وہ لوگوں کی دعوت وتبلیغ سے کوئی رغبت نہیں رکھتے۔ایسے لوگ جو خانقاہوں اور بیٹھکوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے ہیں اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔انہوں نے اسلام کو میٹزم (جعلی تصوف) سے ملا دیا ہے۔

جو لوگ اس تصور کے قائل ہیں دوسروں کی اصلاح سے پہلے ان کی اپنی اصلاح لازمی ہے۔اس لیے صرف ذاتی اصلاح کے لیے کوشاں رہتے ہیں انکا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان روز قیامت اپنا علیحدہ حساب دے گا۔جیسے مثل مشہور ہے کہ ہر بکری اپنی رسی سے بندھی ہوتی ہے۔یا ہر بھیڑ اپنے ہی ریوڑ سے متعلق ہوتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے۔جو اپنی اصلاح نہیں کرسکتا دوسروں کہ اصلاح کیا کرے گا۔اس لیے ان لوگوں کی رائے ہے کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرو۔

جو یہ تصور رکھتا ہے ہم اسے کہتے ہیں جان لو کہ انسان جب یہ گمان کرنے لگے کہ اس نے اپنے نفس کی اصلاح مکمل کر لی ہے تو وہ انتہائی گمراہی کے دھانے پر پہنچ جاتا ہے۔کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو بالکل مکمل پاک کر لیا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے

" وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ "

ترجمہ:''اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہو جب تک کہ تمہیں موت نہ آجائے۔''

انسان تو زندگی کی آخری سانسوں تک مکلف ہے۔اس لیے یہ دعویٰ کرنا محال ہے کہ میں نے عبادت کی ساری منازل طے کر لی ہیں۔اب پردے ہٹا دیے جائیں گے اور عالم بالا سے کامیابی کا بلاوا آجائے گا۔جب تک سانس ختم نہ ہو جائے وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں نے تزکیہ نفس مکمل کر لیا ہے۔اس لیے نفس کی پاکیزگی اور برے اخلاق سے دور ہونے کے لئے انسان کی کوشش اور جہاد پوری زندگی جاری رہتا ہے۔جب تک دم میں دم ہے جہاد اکبر جاری رہے گا۔اس لیے ہم اپنی پوری زندگی میں خوف وامید کے درمیان عمل کرتے ہیں۔مومن اپنے اعمال پر بالکل مطمئن نہیں ہوتا اور بالکل ناامید بھی نہیں ہوتا۔البتہ دنیا کی زندگی میں خوف اور خشیت الٰہی کو ضرور خاطر میں لانا چاہیے۔



Marfat.com

ذرا غور کریں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آخری سانسوں میں اس قدر مضطرب اور پریشان ہیں، حساب وکتاب کا خوف ہے، خوف پریشانی اور بے چینی ہے کہ حساب کتاب کیسا ہو گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس انہیں خوشخبری دیتے ہیں کہ میں قیامت کے روز گواہی دوں گا کہ آپ نیک اور صالح تھے اور کیا قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ الرحمان۔۴۶

''اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو
اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔''

## و۔ سلف صالحین اور جہاد

اسلام کے حقیقی وارث علماء کرام اور اولیاء عظام جہاد کی کسی ایک شاخ پر عمل پیرا نہیں رہے۔ بلکہ بیک وقت جہاد اکبر اور جہاد اصغر میں مشغول رہے۔ انہوں نے کلمہ حق ادا کرنے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے میں کبھی کوتاہی نہیں برتی۔ یہاں تک کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی حق کی بات کہتے رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے روحانی اور قلبی رابطہ بھی کبھی منقطع نہ ہوا چاہے جس قدر بھی مصروفیت ہو۔ بلکہ جو کچھ بھی ان پر دین حق کی خدمت کرنے کا فیضان ہوا ہے اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حب الٰہی اور اس کا احسان کارفرما تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اس لیے ہمیشہ نیک اعمال سے اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ ان پر اس قدر للّٰہیت چھا گئی کہ رب تعالیٰ ہی ان کی آنکھیں بن گیا جن سے وہ دیکھتے اور اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ بن گیا جس سے وہ کام لیتے ہیں۔ اللہ نے ان مصلحین کی زندگیوں میں اس قدر طاقت اور برکت دی کہ ایک، ایک ہزار کے برابر تھا۔

## ز۔ آج کے انسان کی ذمہ داری

آج کے دور کا انسان اگر اللہ کے راستے میں ایسا جہاد کرنا چاہتا ہے جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔ (اور یہ اس پر واجب بھی ہے) تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اپنے نفس کی کڑی نگرانی کرے



Marfat.com

اور اپنی خواہشات نفس کا سخت محاسبہ مسلسل جاری رکھے۔اس کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی بھرپور انداز سے سرانجام دے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو اس بات کا قوی احتمال ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے گا۔اس کے اعمال سے اس کو فائدہ پہنچے گا نہ دوسروں کو۔

دراصل مجاہد اخلاص کا پیکر ہوتا ہے۔اللہ کی خاطر ہر کام کرتا ہے۔ایسا ہی انسان خالص اور مخلص ہوتا ہے اس کا دل زندہ ہوتا ہے اور ایسا جہاد ہی پھل لاتا ہے اور ہمیشہ باقی رہتا ہے۔یعنی ایسی قسم کا جہاد جو دوسروں کے ذہنوں میں ہر قسم کا رطب و یابس نہ بھرے بلکہ ان کے دلوں میں اخلاص، پاکبازی، باطنی شعور اور محاسبہ نفس کی تڑپ پیدا کرے تاکہ لوگوں کے اندر عمل کی ادائیگی میں حضور قلبی پیدا ہو۔

متوازن جہاد وہ ہے جو ظاہر و باطن دونوں میدانوں میں فتح کے جھنڈے گاڑے۔مجاہد خود بھی درجہ کمال تک پہنچے اور دوسروں کو بھی اسی طرف لے کر چلے۔یعنی انسان کا خود کو اسلام کے مطابق ڈھالنا جہاد اکبر ہے اور دوسروں کو اس کام پر لگانا جہاد اصغر ہے۔اگر ان دونوں جہادوں میں سے کوئی ایک بھی کام نہ کرے تو نتیجہ مثبت نہیں نکلے گا اور معاشرتی توازن بگڑ جائے گا۔یا تو ذلت اور رسوائی ہو گی یا سختی اور انتہا پسندی اور ہم تو روح محمدی کی نشاۃ ثانیہ کے منتظر ہیں۔اور یہ روح بجز اتباع رسول کے ممکن ہی نہیں۔بہترین لوگ وہ ہیں جو دوسروں کی اصلاح کی فکر بھی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کے لیے بھی کوشاں رہتے ہیں۔اور کیا ہی خوش بخت ہیں وہ لوگ جو دوسروں کو غلطی سے بچانے کی فکر کرتے ہوئے خود اپنے معاملات کا بھی محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔

جہاد قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ ہم جس قدر بھی انسانیت کو ہدایت کی طرف لانے کی کوشش کریں بعض کفار ایسے ہوں گے جو اپنے کفر پر ڈٹے رہیں گے۔اس کا مطلب ہے کہ جہاد جاری رہے گا۔ہمیں یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ ہم لوگوں کو اللہ کی پہچان بتائیں اور حق کی دعوت دیں اور جو ہمیں اس خالص دعوت کے کام سے روکے اور راستے میں حائل ہو تو پھر بزور بازو اس کام کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ہمیں جسمانی اور روحانی



Marfat.com

دونوں قسم کا جہاد کرنے کا حکم ہے کیونکہ اسلام غلبہ، قوت اور کامیابی کے لیے آیا ہے۔ اگر ہم جہاد نہیں کریں گے تو بطور انسان اپنا حق زندگی اور اس کے تقاضے پورے نہ کر سکیں گے۔ اسی مقصد کے لیے ہمارے آباء واجداد نے اپنی جانیں قربان کیں۔ جب عیسائیوں نے اس مفہوم کو بدلنے کی کوشش کی تو اس رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیے قوت وطاقت کے سوا کوئی راستہ نہ ملا۔ ہمارے آبا وَاجداد نے جو جنگیں لڑی ہیں ان کا بھی یہی مقصد اور ہدف تھا کہ دعوت دین کے راستے میں موجود رکاوٹوں کو ختم کیا جائے۔

ان کے نزدیک اشاعت دین کے علاوہ کوئی اور مقصد نہ تھا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے صرف غلبہ یا علاقوں پر قبضے کے لیے جنگیں کیں ہوں بلکہ وہ تو صرف اور صرف دین حق کی سر بلندی چاہتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد ایک ہی حقیقت کی تبلیغ تھی اور وہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اسی کلمہ کو وہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا عزم لیے ہوئے تھے۔ تا کہ کوئی علاقہ ایسا نہ بچے جہاں کلمہ طیبہ کا نور کفر کے اندھیروں میں چھید نہ کر دے۔ گویا وہ لوگ کلمہ حق کی صدا تھے جو اپنی آوازیں صرف اور صرف یہ کلمہ سنانے کے لیے بلند کر رہے تھے۔ تا کہ سارے جہاں میں اس حقیقت کا کھلم کھلا اعلان کر دیں۔ امت محمدی کے لشکروں میں اسی کی گونج تھی اسلحہ کی گھن گرج میں بھی یہی صدا بلند ہو رہی تھی کہ لا الہ الا اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دولت عثمانیہ کے حکمران سلطان محمد فاتح اور دیگر حکمرانوں نے یہی صدا بلند کی اور ان کی آواز مشرق اور مغرب میں باطل کے اندھیروں کو چیرتی ہوئی نور حق پھیلاتی رہی وہ صدا لا الہ الا اللہ تھی۔ مملکت عثمانیہ کے میناروں سے بلند ہونے والی اس صدا پر مشرق و مغرب میں لوگوں نے لبیک کہا اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس کلمہ حق کی بازگشت کے اثرات بلغراد کے جنگلوں سے لیکر ہمالیہ کی چوٹیوں تک موجود ہیں۔ بلکہ یہ بازگشت تو سمندروں کے اس پار تک سنی گئی۔

بلا شبہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس جہاد کا مقصد ہر اندھیر نگری میں اسلام کی روشنی پھیلا کر دنیا کے کونے کونے میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کرنا، ہر جگہ قرآن مبین کا نور پھیلانا ہے۔ اور مومنوں کی ذمہ داری ہے اس مقصد عظیم کے لیے حسی اور عملی جہاد یعنی جہاد اصغر بھی جاری رکھیں۔ تا کہ



Marfat.com

دنیا میں توازن قائم کرنے اور امت وسط کا فریضہ انجام دینے کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔ ہمیں بحثیت امت اس منصب کی حفاظت کرنا ہے جو اللہ نے ہمیں دیا ہے۔ اور ہمارا محض یہی مقصد ہونا چاہیے۔ فرمایا

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

(البقرہ: ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔''

امت وسط سے مراد ہے کہ ہم نے تم کو عدل وانصاف اور میانہ روی کی روش پر قائم رہنے کے لیے بنایا تا کہ تم دنیا کی قوموں کے درمیان توازن قائم کرو۔ تمہارا تعلق سب کے ساتھ یکساں ہو، تم استقامت پر قائم رہو کسی سے ناحق حرکت نہ کرو۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں ہمالیہ سے بلند تر مقام اور حرا جیسی چوٹی پر فائز کرنا چاہتا ہے تا کہ ہم شعوری طور پر اس دعوت کا حصہ بن سکیں۔ دین اسلام ہمیں اپنی ذات اور فطرت اصلیہ میں درجہ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اب یہ ہماری اہلیت تک ہے کہ ہم عزم صمیم کریں اور بلندیوں کی طرف جانے کے لیے تجدید عہد کریں یا اسی حالت میں پڑے رہیں جس میں بحثیت امت ہم ہیں اور ذلت اور خواری میں اس حد سے بھی گزر جائیں جس میں اب ہم ہیں اور دشمنوں کے پاؤں تلے روندے جائیں۔



Marfat.com

Marfat.com

# دوسری فصل

## جہاد کی جہات اور میدان



Marfat.com

Marfat.com

## ۱۔ جہاد انبیاء کا فرض منصبی

جو شخص اللہ کی رضا اور خوشنودی اور دین کی دعوت دینے کی خاطر جان جوکھوں میں ڈال کر جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے، وہ عام انسان نہیں بلکہ وہ عظیم مقصد کی خاطر زندہ ہے اور اس نے اپنی زندگی کا مقصد وہی بنالیا ہے جو انبیاء اور رسولوں کی زندگی کا مقصد ہے۔ ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ہر انسان کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ہر انسان زندگی گزارنے کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے اور اس پیشہ کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ مثلاً حجام، بڑھئی، زین ساز یا کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے والا۔ ہر ایک اپنی ضرورت اور مقصد کی خاطر اپنی تیاری کرتا ہے اور کام چلاتا ہے اور اسی مخصوص کام کی بہتری کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے اہمیت کا خیال رکھتا ہے۔ حجام حجامت ہی کے حوالے سے سوچتا ہے اور اسی کی بہتری کے لیے تگ و دو کرتا ہے، اسی طرح باقی سارے پیشے بھی ہیں۔ اسی طرح ایوان کے سربراہ وزیراعظم یا صدر کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور بالکل حجام کی طرح وہ بھی اپنے اغراض و مقاصد کے لیے سوچتے اور کام کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پیشے کی اپنی نزاکتیں ہوتی ہیں۔ اسی تناظر میں ان کی اہمیت بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ نبوت ایک ایسا فریضہ ہے جس کے لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے انتہائی برگزیدہ بندے منتخب کیے ہیں۔ ان کا کام اور فرض منصبی اللہ تعالےٰ کی معرفت اور اس دین کی اشاعت ہے جو انہیں دے کر بھیجا گیا۔ یعنی وہ اس انسان کو دائمی بہشت میں داخل ہونے کا راستہ بتاتے ہیں جو ایک گندے قطرے سے شروع ہوتا ہے اور ایک بدبودار جسم کی شکل میں ختم ہو جاتا ہے۔ ان انبیاء کی تعلیمات پر عمل کرنے سے وہ ابدی استقرار حاصل کرتا ہے، انتہائی بلند مقامات پر ہمیشہ کے لیے جگہ پاتا ہے اور اس سے اس کا دل اطمینان حاصل کرتا ہے۔ جو شخص ہمیشہ رہنے کا واقعی خواہش مند ہے، ایمان لانے کے بعد وہ ابدی آرام وسکون کے قریب تر ہو جاتا ہے۔



Marfat.com

نبیوں کی آمد کا مقصد لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات سے آگاہ کرنا، اس پر ایمان پختہ کرانا اور اس کے نتیجہ میں ہمیشہ کی زندگی کی خوشخبری دینا ہے۔ اس دنیا میں جو لوگ نبوت کے احکام کی روشنی میں عمل کریں گے وہ اس فانی زندگی کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں اور جلوے دیکھیں گے اور اسی زندگی میں انبیاء ان لوگوں کو فانی زندگی کے بعد کے حالات بتاتے ہیں اور فنا کے بعد کی ابدی زندگی کے انداز اور اطوار کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ نبی کا مخاطب فکری طور پر دوام و بقا پر ایمان لے آئے اور اپنے آپ کو ہمیشہ کی عظیم کامیابی اور فتح کی طرف گامزن محسوس کرے۔

جو لوگ ایسے انسان کی ہمیشہ رہنے والی فطری کمزوری کے مطابق اس کی اس آرزو کو حقیقت میں بدلنے کی ضمانت دیتے ہیں وہی انبیاء کرام ہیں اور ان کا کام پیغام نبوت کو عام کرنا ہے۔ اس لحاظ سے نبوت انتہائی پاکیزہ اور مقدس پیشہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے اقرار کے بعد اس پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور نبوت کا سب سے پاکیزہ اور مقدس فرض منصبی جہاد ہے کیونکہ جہاد ہی وہ واحد ذریعہ اور وسیلہ ہے جو نبوت کے اہم مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔ اس لیے جہاد بھی اسی قدر پاکیزہ اور مقدس کام ہے جس قدر فریضہ نبوت مقدس ہے۔ درج ذیل آیت جہاد کے عظیم ترفعل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ"

(التوبہ: ۱۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، مارتے اور مرتے ہیں، ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے، تورات اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو۔



Marfat.com

پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

یعنی جو لوگ اپنے مادی وجود کو، اپنے نفس اور مال کو اللہ کے ہاں بیچ دیتے ہیں اس کو اللہ ہی کا مال سمجھ بیٹھتے ہیں تو اللہ اس سودے پر ان کو جنت دے دیتا ہے اور اللہ کی رضا بھی ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں خرید و فروخت کا صیغہ استعمال کر کے بندہ ناچیز کو ایسے عظیم مرتبہ پر فائز کر دیا ہے جہاں بندہ براہ راست رب کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے گفتگو کرتا ہے اور تجارتی معاہدے طے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ الْمَيِّتِ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ اِلاَّ الْمُرَابِط، فَاِنَّهُ يَنْمُو لَهُ عَمَلُهُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤَمَّنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْر،

ہر مرنے والے کے عمل کا سلسلہ مرنے کے بعد بند ہو جاتا ہے سوائے مرابط (سرحد پر پہرہ دینے والے) کے، اس کے اعمال میں قیامت تک بڑھوتی ہوتی رہے گی اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔(۱)

## ۲۔ جہاد۔ شہادتِ حق

جہاد کی جہات میں سے ایک جہت فریضہ شہادت حق بھی ہے۔ جیسا کہ ہم عدالتی کارروائیوں میں سنتے ہیں کہ فلاں نے شہادت دی گواہی دی کسی چیز یا دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہی دی اور گواہی کی روشنی میں جج نے فیصلہ دے دیا۔ اسی طرح مجاہد کفر والحاد کے مقدمہ میں پورے زور وشور سے با آواز بلند یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ موجود ہے۔ یہ آوازیں زمین وافلاک سنتے ہیں۔ یہی ان کی گواہی اور شہادت ہے۔ قرآن کریم میں اس گواہی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے:

---

۱) أبو داود، الجهاد: ۱٦، الترمذی، فضائل الجهاد ۲.



Marfat.com

"شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ." (آل عمران۔۱۸)

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔وہ انصاف پر قائم ہے۔اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں پے در پے تین قسم کے گواہوں کا ذکر ہے جو اپنے اندر بڑا گہرا مفہوم رکھتی ہیں۔

۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بذات خود اپنے وجود کی گواہی دے رہا ہے اور جو لوگ اس حقیقت کو اپنے شعور کی گہرائی کے ساتھ پا گئے ہیں وہی اس عظیم گواہی کو محسوس کر سکتے ہیں۔قلم وقرطاس اس حقیقت کو ادا کرنے سے عاجز ہیں۔

۲۔ فرشتے بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ولاشریک ہے۔فرشتے نورانی مخلوق ہیں۔انکی فطرت ہی پاک صاف ہے۔ہر قسم کے شائبہ سے پاک ہیں۔شیطان اس مخلوق میں تصرف نہیں کرسکتا اور ان کی نورانی فطرت ناقابل تغیر ہے وہ شیشے کی طرح شفاف وچمکدار ہیں اس قدر صاف کہ ان کے اندر تجلیات ربانی نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں۔

۳۔ اہل علم بھی اللہ تعالیٰ کی موجودگی پر گواہ ہیں اور یہ تین قسم کی گواہیاں اللہ کے وجود کے اثبات کے لیے کافی ہیں اگرچہ ان کے علاوہ ساری دنیا ہی وجود باری تعالیٰ کا انکار کردے۔

اگر ہم اس حقیقت کو اس کی عظمت اور جلال کے ساتھ محسوس کرلیں تو ہمیں اس پر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہے گی۔یہی دلیل ہمارے لیے کافی وشافی ہے اسی طرح عالم بالا کے رہنے والوں کے لیے بھی دلیل ہے۔اور جو لوگ اندھے ہیں بہرے ہیں اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے،ان نشانیوں کی صدا نہیں سنتے۔اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمتوں سے معمور نشانیوں



Marfat.com

کے دیکھنے سے عاجز ہیں، جو چہار دانگ عالم میں پھیلی ہیں تو ان کے لیے اہل علم کی گواہی کافی ہے۔

مجاہدین تو اللہ کے گواہ ہوتے ہیں اپنی بلند اور مترنم آواز میں منکرین کے سامنے یہ نعرہ بلند کرتے ہیں ہم اللہ کے گواہ ہیں۔ اللہ موجود ہے۔

یقیناً تمام انبیاء ورسل بطریق احسن اسی فریضہ شہادت حق کی ادائیگی کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے۔ خود قرآن کریم اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

"رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاo" (النساء: ۱۶۵۔۱۶۶)

"یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ اے نبی جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور اس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں، اگر چہ اللہ کا گواہ ہونا بالکل کفایت کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں نبی مبعوث کیے جو اپنی قوموں کو حق کا راستہ دکھاتے رہے اور ان کو اندھیروں سے اجالے میں لاتے رہے جبکہ سیدنا نبی آخر الزمان سرور دو عالم کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لیے نبی بنا کر بھیجا جو بلا قید زمان و مکان دنیا کو حق کا راستہ دکھانے کے لیے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا"

(الاحزاب ۴۵)

"اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔"



Marfat.com

اس آیت میں یا ایھا النبی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اور عربی زبان میں کسی عام لفظ کے ساتھ الف لام لگانے سے معرفہ بن جاتا ہے۔اور معرفہ سے مراد ایسا لفظ ہوتا ہے جو عام نہیں ہے بلکہ معروف ہے۔اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کو تمام مخلوقات جانتی ہے اس نبوت کا انکار ممکن نہیں آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار تو جمادات، نباتات اور حیوانات بھی کرتے ہیں۔(۱) تمام مخلوقات آپ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہیں اس لیے آپ کی نبوت کا انکار ممکن نہیں اور پھر پتھر سے بھی سخت آدمی آپ کے آگے موم بن گئے۔یہ بات آپ کی نبوت کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔اسی آیت میں فرمایا ہے ارسلناک۔یہاں (ک) مخاطب کے لیے استعمال ہوا ہے۔اس سے نبی اکرم ﷺ کا قرب خداوندی ظاہر ہوتا ہے۔اسکی رحمت کی طرف اس کا واضح اشارہ ہے۔اللہ اپنے نبی کو براہ راست مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ ہم نے تم کو بھیجا ہے۔اس سے آگے لفظ ,,شاہد،، استعمال ہوا ہے۔اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے کہہ رہا ہے کہ ہم نے آپ کو انسانیت کے لیے گواہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ انسانوں کو بتادیں کہ میں موجود ہوں۔ان کو میری پہچان بتائیں آپ میری طرف سے ان پر گواہ بن جائیں چاہے تمام عالم اس بات کو جھٹلا دے،آپ میری موجودگی کا اعلان کر دیں نیز آپ شاہد اور گواہ ہیں پھر آپ کے بعد آنے والے آپ کے پیروکار بھی آپ کے طریق پر چلتے ہوئے فریضہ شہادت حق ادا کریں گے اور پوری انسانیت پر گواہ ہوں گے۔ان کی گواہی کی آپ تصدیق کریں گے۔امت محمدی کی گواہی اور شہادت کی وجہ سے بعض سابقہ انبیاء کی گواہی کی ذمہ داری بھی یوم حشر کو ختم ہو جائے گی۔جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روز قیامت نوحؑ کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ کیا آپ نے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ نوحؑ کہیں گے ہاں۔پھر ان کی قوم کو پکارا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تم کو نبوت کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔فرماتے ہیں پھر نوحؑ سے کہا جائے گا کہ اپنے گواہ پیش کریں۔وہ کہیں گے محمد اور اس کی امت۔اسی لیے تو فرمایا:

---

۱) تفصیل کے لئے دیکھیے مسلم، الفضائل .ابن ماجه القش،مسند احمد ۱۱۳/۳،۱۷۰/۴۔۱۷۱ ،مجمع الزدائد. الهیثمی:۹/۴



Marfat.com

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ." (البقرہ:۱۴۳)

"اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔"

فرمایا وسط کا مطلب ہے عدل پھر فرمایا لوگوں کو بلایا جائے گا اور وہ فریضہ نبوت کی ادائیگی کی گواہی دیں گے پھر میں تم پر گواہی دوں گا۔(۱)

## ۳۰۔ جہاد زندگی کا سرچشمہ

جہاد زندگی کا سرچشمہ ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے اور پژمردگی سے نجات دلاتا ہے۔ جس قوم کے افراد میں مادی اور معنوی جہاد ختم ہو جائے تو کئی انواع و اقسام کی اخلاقی برائیاں، آپس کی لڑائیاں اور فسادات جنم لیتے ہیں اور قوم خود ہی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ عثمانی اس حقیقت کی زندہ مثال ہیں۔ قدرت نے عثمانیوں اور اس طرح کی دیگر اقوام کے ساتھ یہی سلوک کیا کہ وہ تباہ و برباد ہوئیں اور اپنی موت آپ مر گئیں۔ پھر اس حالت کے خاص اسباب ہیں جس قوم کے حکمران اپنی زندگی میں خواہشات نفس کے پیچھے چل پڑیں۔ شہوت پرستی اور بداخلاقی میں پڑ جائیں۔ اللہ کے دین کی سربلندی کو چھوڑ دیں اور یہی بری عادتیں مجاہدین اور فوجوں میں بھی رواج پا جائیں تو ایسے ممالک اپنی قدر و منزلت اور شان و شوکت کھو دیتے ہیں اور ہمیشہ کی بدبختی اور ناامیدی ان پر چھا جاتی ہے۔ اسی طرح کی بدبختی نے سلطنت عثمانیہ جیسے عظیم الشان ملک کو دنیا کے نقشے سے مٹا کر رکھ دیا۔

جب سے ہم نے جہاد کا راستہ ترک کیا ہے ہمارے درمیان فرقہ پرستی اور تخریب کاری نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ آج امت مسلمہ کے اندر جو فرقہ پرستی ہے، تخریب کاری اور اختلافات ہیں یہ انہیں جہنمی پودوں یعنی حنظل اور زقوم کے پھل ہیں جو گزشتہ عرصے میں ہمارے ہاں تناور درخت کی شکل اختیار کر گئے۔ اس انحطاط و زوال سے نکلنے کی جہاد کے سوا کوئی صورت نہیں۔ مومن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اور غایت جہاد ہی ہے، اور اسی کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنا ہوگا۔ جب تک مومن اپنے خون پسینہ سے جہاد کے درخت کی آبیاری نہیں کریں گے معاشرہ کی تطہیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

۱) بخاری، الاعتصام، ۱۹ مسند احمد :۳۲/۳، ابن ماجہ، الزھد :۳۴



Marfat.com

حضرت حرام بن ملحان ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں جنہوں نے خون پسینے سے جہاد کی خدمت کی اور شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے۔ وہ جنگ کے دوران جب سینے پر تیر کھا کر زمین پر گر پڑے تو پکار اٹھے:

"اللہ اکبر فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"

"اللہ اکبر کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔" (۱)

اگر ہم حرام بن ملحان کی زندگی میں ملنے والی غنیمت اور اس عظیم ذائقے کا تقابلی جائزہ لیں جو انہیں اللہ کی راہ میں نصیب ہوا تو ان کی کامیابی کا راز معلوم ہو جائے گا، اس لیے کہ جہاد ہی سب سے فائدہ مند تجارت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ارشاد گرامی میں ہمیں اس کامیاب اور فائدہ مند تجارت کی طرف بلاتا ہے، فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ .

(الصف: ۱۰/۱۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب علیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ کہ اللہ تعالیٰ کہنا چاہتا ہے اے مومنو میں تم کو کامیاب ترین تجارت کی طرف بلاتا ہوں تم ہمیشہ کی کامیاب سعادت مند زندگی حاصل کرو اور جنت میں ٹھکانہ لو اور اس کے ساتھ دوزخ کی زندگی سے بھی نجات پاؤ۔

---

۱) البخاری، الجہاد: ۹، مسلم، الامارۃ: ۱۴۷.



Marfat.com

بلاشبہ جہاد دنیا کے کونے کونے کے لیے روشنی کا پیغام ہے۔اور دنیا کی تمام اندھیر نگریوں میں اسم محمد سے اجالا کرنے والا ہے۔قرآن مبین کے نور سے سارے جہانوں کو منور کرنے والا ہے۔یہی جہاد ہے جو قیامت تک جاری رہے گا اور مومن دنیا کی قوموں کے درمیان امت وسط ہونے کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔

## ۴۔ جہاد بلند جذبہ اور عظیم احساس

مومن کا سب سے بلند اور اعلیٰ جذبہ، جذبۂ جہاد ہی ہے اور جس شخص میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ زندہ انسانوں میں شمار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس میں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ وہ تو مردوں کی طرح ہے۔ایسے فرد کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر نہیں کرتا کیونکہ جو شخص دنیا میں اللہ کے نام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کرتا اس کو زندگی کا مقصد نہیں بناتا اس میں اور جمادات میں کوئی فرق نہیں۔

انسان میں جس قدر جہاد کا جذبہ اور روح ہوگی اسی قدر اس میں زندگی بھی ہوگی کیونکہ انسان اپنے آپ کو، اپنے اہل خانہ کو اور امت کو جہاد کے ذریعہ سے موت سے بچا سکتا ہے۔اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ جہاد کہ ذریعے حقیقی زندگی مل سکتی ہے۔ بلاشبہ سب سے بلند، اعلیٰ اور ارفع قدم وہی ہے جو جہاد کے لیے اٹھے۔ نبی کریم ﷺ کی اصلاحات اور تربیتی خصائص پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کی جماعت کے دلوں سے موت کے ڈر کو ختم کر دیا تھا۔حق کے راستے میں جو چیز انہیں درست نظر آئی اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔اس جماعت صحابہ نے زندگی زندہ دلوں کی طرح بسر کی۔ ہمیشہ جہاد کے لیے سوچنے والی جماعت کو دائمی زندگی کا راز جہاد ہی میں نظر آیا۔وہ دنیا میں بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ ان کے اعمال نامے بند نہیں ہوئے اور تا قیامت دنیا ان کی نیکیوں کو یاد کرتی رہے گی۔اور ان کے درجات بڑھتے رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی جانیں قربان کر کے اس دنیا میں بھی نام روشن کیا اور آخرت میں بھی اپنا مقام پایا۔انہوں نے ایمان کی روشنی پھیلانے میں ہر قسم کی مشکلات برداشت کیں۔ اگرچہ یہ پاک طینت جماعت اس دنیا سے جا چکی ہے لیکن نسل در نسل دنیا



Marfat.com

ان کے نیک کارناموں کو یاد کرتی اوران سے سبق حاصل کرتی ہے۔اور قیامت تک ان کوان کی نیکیوں کا ثواب ملتا رہے گا۔

جب انسان اخروی زندگی پر کامل ایمان لے آتا ہے تو اس کا اوڑھنا بچھونا جہاد بن جاتا ہے۔اس کی زندگی کا مقصداور پہلی اور آخری خواہش جہاد ہوتی ہے۔صحابہ کرام کے اندر جو جذبہ اور احساس پروان چڑھا وہ یہی فہم وادراک تھا۔آپ دیکھتے ہیں کہ بدر کی جنگ میں شرکت کے لیے صحابہ بے چین تھے۔جو بچے چھوٹے تھے ایڑیاں اٹھا کر اپنے آپ کو بڑا ظاہر کررہے تھے اور جن کو کم عمری کی وجہ سے اجازت نہ ملی وہ کس قدر غمگین ہوئے۔(۱)

وہ کہتے ہم تو مرد ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خواتین کے ساتھ کیسے ملا دیا۔جہاد مردوں کا کام ہے تو ہم خواتین کی طرح گھروں میں کیوں پڑے رہیں۔اس عظیم جذبہ سے سرشار صحابہ کی خوش بخت جماعت بدر کی جانب گامزن ہوئی تاکہ انسانیت کی تقدیر ہی کو بدل کر رکھ دیا جائے۔اس سے پہلے مسلمان محض دعوت وتبلیغ تک ہی محدود تھے۔

مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ابھی تک نہ ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ کو قریش کے قافلے کی خبر ملی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے قریش کے بارے میں مشورہ کیا اور قریش کے عزائم سے بھی آگاہ کیا۔اس مشاورت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی تائید کی، پھر مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ جہاں اللہ نے حکم دیا ہے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔خدا کی قسم ہم اس طرح بالکل نہیں کہیں گے جیسے موسیٰؑ کی قوم نے ان سے کہا تھا:

" فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔"

(المائدہ:۲۴)

"جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔"

---

۱) مجمع الزوائد،الهیثمی. ۱۶۹/۶، حیاة الصحابه. کاندهلوی: ۹۳/۲.۹۴



Marfat.com

بلکہ ہم کہیں گے جاؤ آپ اور آپ کا رب دونوں لڑو ہم بھی آپ کے ساتھ لڑیں گے۔اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ برک الغماد (حبشہ کا یک شہر) تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ نے ان کی تعریف کی اور ان کے لئے دعا کی۔ آپ نے پھر کہا لوگو مجھے مشورہ دو (شاید آپ انصار سے مشورہ لینا چاہتے تھے) کیوں کہ انصار تعداد میں سب سے زیادہ تھے اس پر انصار کے سربراہ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: یارسول اللہ شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔حضرت سعد نے کہا: ہم آپ پر ایمان لائے ہیں آپ کی تصدیق کی اور جو چیز آپ لے کر آئے ہیں اس کے برحق ہونے کی شہادت دی، اس پر ہم نے آپ سے عہد و پیمان کیے کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔آپ نے جو ارادہ کیا ہے کر گزریے۔اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے اگر آپ سمندر میں بھی داخل ہوں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم میں سے کوئی پیچھے رہنے والا نہیں۔ہم کل دشمن سے مڈبھیڑ ہونے سے نہیں ڈرتے۔ہم لوگ جنگوں میں صبر کرنے والے ہیں اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت سچے جذبے کے ساتھ لڑنے والے ہیں شاید آپ کسی اور مقصد کے لیے نکلے تھے اور اللہ نے حالات دوسری طرف موڑ دیے ہیں۔آپ وہ کریں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے جس کے ساتھ چاہیں تعلق جوڑ دیں یا توڑ دیں جس کے ساتھ چاہیں دشمنی کر لیں اور جس کے ساتھ چاہیں صلح کر لیں اور ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں۔حضرت سعد کی تقریر سے حضرت محمد ﷺ بہت خوش ہوئے۔پھر فرمایا اللہ کے نام سے نکلو اور خوشخبری سن لو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کسی ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے۔اللہ کی قسم میں دشمن کی قتل گاہوں کو گویا آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہوں۔(۱)

صحابہ کرام کے اندر اس قدر جوش و ولولہ تھا کہ جو قریش بھاگ کر مکہ گئے انہوں نے جا کر تبصرہ کیا کہ ان لوگوں نے ہمارے اوپر اس قدر بھرپور وار کیے گویا کہ ہم پہلے ہی ان سے معاہدہ کر چکے تھے کہ ہم ہاتھ کھڑے کر لیں گے تم مارتے رہنا اور ہمیں گردنوں پر اور ایک ایک جوڑ پر مارتے تھے(۲)

---

۱) دلائل البنوة البيهقي: ۱۰۷/۳ . السيرة النبوية. ابن هشام: ۲۶۶/۲ .تفسير ابن كثير: ۵۵۵/۳

۲) جامع البيان فى تفسير القرآن. طبرى ۱۹۷/۹ . ۵۰۲



Marfat.com

جہاد اس وقت تک مسلمانوں پر مسلسل فرض رہتا ہے جب تک دین اسلام کا غلبہ مکمل نہ ہو جائے اور مسلمان ذلت اور غلامی سے نجات نہ حاصل کر لیں۔ اگر مسلمانوں میں ایک گروہ یہ فریضہ ادا کرنے کے لیے موجود نہ ہو جس کا قرآن میں ذکر ہے تو یہ اسلامی طرز زندگی نہیں ہے۔(۱)
اگر انفرادی طور پر کوئی اسلامی طرز زندگی پر عمل کر رہا ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور جب مسلمان جہاد کا عظیم فریضہ ترک کر دیتے ہیں تو ایڑیوں کے بل پیچھے دھکیل دیے جاتے ہیں۔ ذلت ان کے نصیب میں آ جاتی ہے۔ اگر چہ دنیوی لحاظ سے فضا سے اوپر ستاروں پر کمندیں کیوں نہ ڈال لیں۔ محض ترقی، ٹیکنالوجی، ملیں اور کارخانے مسلمانوں کو ذلت کے جہنم سے نہیں نکال سکتے۔ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر اس کفایہ کو کوئی جماعت ادا نہ کر رہی ہو تو سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور ہر شخص اس کے بارے میں اللہ کے ہاں جوابدہ ہے۔ اگر اس فریضہ کو بطور احسن ادا نہ کیا جائے جیسا کہ آج کل کے دور میں ہو رہا ہے۔ ملکی سطح پر منظم جہاد کا بندوبست کرنا بھی لازمی ہے۔ کبھی تو فوج کو جہاد کا حکم ملتا ہے۔ اور کبھی ملک کے اندرونی امن وامان کی بہتری کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے۔ ہر دو سطح پر فوج اندرونی یا بیرونی طور پر جہاد کرتی ہے۔ امت کے لیے ساری دنیا کے امن وامان قائم کرنے کے لیے جہاد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ امت امت وسط ہے اور اللہ تعالیٰ نے ملکوں اور قوموں کے درمیان توازن کے لیے اس کو عظیم ذمہ داری پر مامور کیا ہے۔ زمین پر ایک ایسے لشکر کا ہونا ضروری ہے جو اعتدال وتوازن کو قائم کرنے کی ذمہ داری کو سمجھتا ہو اور یہ انتہائی اہم اور عظیم کام ہے۔ زمین پر اعتدال اور توازن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک امت اس عظیم فریضہ کو ادا کرنے کا بیڑا اٹھا نہ لے۔
کس قدر افسوس کی بات ہے کہ گزشتہ دو تین صدیوں سے مسلمان دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونے بنے ہوئے ہیں۔ انہیں توازن قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مسلمان عالمی سطح پر اعتدال وتوازن قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ مسلمانوں کی مسجدیں گویا مساکین اور فقراء کے ٹھکانے ہیں ان کے مراکز محروموں کی آماجگاہیں ہیں اور ان کے مدارس مغربی تعلیم وثقافت

---

۲۲) دیکھیے سورۃ آل عمران: ۱۰۴



Marfat.com

پڑھانے پر لگے ہیں۔اس طرح ان کے مسائل حل کر رہے ہیں جیسے قرون وسطیٰ میں تھے۔ یہ محروم اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتے کہ عالمی توازن میں اپنا وزن ڈال سکیں۔

میں یقین سے کہتا ہوں اس وقت تک اسلام کے مطابق عمل ممکن نہیں جب تک کہ مسلمان دنیوی لحاظ سے بھی ترقی نہ کرلیں اور اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا سا ایمان اپنے اندر نہ پیدا کرلیں اور تابعین عظام کی طرح عبادات واطاعت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط نہ کرلیں کیونکہ جو شخص اپنے زمانے کے معیار کے مطابق زندگی نہیں گزارتا اور موجودہ مسائل کے حل نہیں تلاش کرسکتا وہ اسلام کے نام پر کوئی کام کرنے کا اہل نہیں۔

پوری امت کو یا کسی فرد کو اسلامی عزت ووقار حاصل ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو اس عظیم کام یعنی جہاد کے لیے تیار کرے جو لوگ یا افراد اس عظیم ذمہ داری کو نہیں محسوس کرتے ان کو اسلامی قدر ومنزلت سے کوئی تعلق نہیں۔

بلاشبہ جہاد ایک عظیم فریضہ اور بڑی ذمہ داری ہے۔ایک گروہ کو اس کے لیے وقف ہو جانا چاہیے جو ہمیشہ اس مقصد کے لیے چاک وچوبند رہے۔اس فرض شناسی اور رات جگے سے امت ہر قسم کے خطروں سے محفوظ رہ سکتی ہے اور اندرونی اور بیرونی حملوں کا تندہی سے مقابلہ کرسکتی ہے، سرحدوں پر پہرہ دینے والی جماعت سیکنڈوں اور منٹوں تک یہ فریضہ انجام دینے پر برسوں کا ثواب حاصل کرتی ہے۔کس قدر خوش بخت ہیں یہ لوگ! ان کے نصیب میں بقاء ودوام لکھ دیا جاتا ہے حالانکہ ابھی تک وہ اس دنیا میں ہوتے ہیں۔اس لیے کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو اسی عظیم مقصد کی نذر کردیا ان کا کھانا پینا سونا جاگنا، اوڑھنا بچھونا، ثواب اور عبادت بن جاتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ حسن اور جمال کی دو قسمیں ہیں ایک جو خود ہی حَسَن ہو جسے حَسَن لعینہ کہتے ہیں اور دوسرا جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے حسن ہو اسے حَسَن لغیرہ کہتے ہیں۔اس تقسیم کے لحاظ سے جہاد حسن لغیرہ ہے۔یعنی یہ کہ جہاد بذات خود تو خوبصورت نہیں کیونکہ اس میں خون خرابہ وقتل و غارت ہوتی ہے لیکن جو چیز اس کو خوبصورت بناتی ہے وہ اس کے مقاصد اور نتائج ہیں۔مثال کے طور پر جہاد اللہ کے حکم کی سربلندی کا ذریعہ ہے۔جہاد مومنین کو زمین میں توازن اور قوموں میں اعتدال



Marfat.com

پیدا کرنے کے لیے قوت اور غلبہ دیتا ہے۔ جہاد سے اسلام اور مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کا سد باب ہوتا ہے۔ جہاد سے مظلوموں اور کمزوروں کی دادرسی ہوتی ہے۔ ان پہلوؤں سے جہاد خوبصورت اور حسن ہے اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ جہاد کا حسن و جمال دین حق کی سربلندی سے مشروط ہے۔

بلاشبہ مومن گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، جہاز اڑاتا ہے، ٹینک چلاتا ہے، میزائیل استعمال کرتا ہے اور سب کام دین حق کی سربلندی کے لیے کرتا ہے۔ جہاد وہی مقبول ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہو اور جو جدوجہد اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو بلکہ نفسانی خواہشات کے لئے، جاہلی غیرت کے لیے، خونی رشتہ کے لیے یا برادری ازم کے لیے ہو ایسی جدوجہد جہاد نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کو بڑی ہی وضاحت سے ان کثافتوں سے پاک کرنے کے لیے فرمایا:

"مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ"

جو شخص اس لیے لڑے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔(۱)

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی اور علمِ اسلام کو لہرانے کے لیے لڑائی نہیں کرتا اس کا جہاد اللہ کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے اس میں کوئی حسن و جمال نہیں ہے۔ درحقیقت جہاد وہی ہے جو اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے ہو اور مجاہد وہی ہے جو اللہ کی رضا کے لیے اللہ کی زمین کو شرک کی تاریکی سے پاک کرنے کے لیے لڑتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی خاص قطعۂ زمین نہیں ہوتا۔ ہر بر و بحر پہاڑ و صحراء جنگل و بیاباں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے پار کر جاتا ہے یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچ کر بھی اس کا جذبہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغام کو اس کے پار لے جائے۔ جیسا کہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے سمندر کے ساحل پر پہنچ کر کہا تھا اے میرے رب اگر یہ سمندر آڑے نہ آتا تو میں ملکوں کے ملک تیرے راستے میں جہاد کرتے ہوئے عبور کر جاتا۔(۲)

---

۱) بخاری، العلم: ۴۵، مسلم، الإمارة: ۱۴۹، ۱۵۱ ابو داود، الجهاد: ۲۶

۲) الكامل في التاريخ، ابن الاثير: ۱۰۶/۵.



Marfat.com

مجاہد اگر اکیلا کسی بے آب وگیاہ ریگستان میں چھوڑ دیا جائے تو اس کا جذبہ یہی ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے دور دراز نکل جائے اور کوئی دیگر راستے ڈھونڈے۔ اگر کوئی اور نہ ملے تو جنوں اور روحوں کو اللہ کا پیغام پہنچائے لیکن آرام سے نہ بیٹھے اور نبی کریم ﷺ کے قول کو سچا کر دکھائے کہ

"اَلْجَهَادُ مَاضٍ اِلَی يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

جہاد روز قیامت تک جاری رہے گا۔(۱)

یہ حدیث شاید ایسے جذبہ رکھنے والے مجاہد ہی کے بارے میں ارشاد ہوئی ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں ہجرت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا:

"لاَ هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ"

فتح کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت ہے۔(۲)

فتح مکہ سے پہلے ہجرت کا ایک الگ معنی و مفہوم تھا اور وہ بھی جہاد ہی تھا لیکن فتح مکہ کے بعد ہجرت جہاد کے رنگوں میں سے ایک اور رنگ اختیار کر گئی۔ اس لیے کہ ہجرت فتح سے پہلے جہاد کے زمرے میں نہیں آتی تھی لیکن جہاد ہی کے ذریعے ہجرت ہوتی تھی۔ ہجرت کا وہ مفہوم جو اس وقت تک رائج تھا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے وہ مفہوم ختم ہو گیا تھا۔ اب مومن جہاں بھی رہتا ہے وہیں جہاد کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر مؤمن اپنے ماحول کو سنوارے، اسے خوبصورت بنائے، وہاں سے شرک، بداخلاقی اور بدعت کا قلع قمع کرے اور اگر کبھی حالات نے مکانی ہجرت کا تقاضا کیا تو اس کے لیے بھی تیار رہے۔

---

۱) مجمع الزوائد للهيثمي :۱۰۶/۵

۲) بخاری ، الجهاد : ۲۷، مسلم ، الامارة : ۸۵، ابو داود ، الجهاد : ۲.



Marfat.com

## ۵۔ جہاد۔ مال ومتاع میں برکت کا ذریعہ

جو چیز خیر و بھلائی کے آنے کا سبب بنے وہ خود بھی خیر ہوتی ہے اور جو چیز شر اور برائی کا سبب بنے وہ خود بھی شر ہوتی ہے۔ جو شخص اپنی ذات اور زندگی کو خیر کے لیے وقف کردے اور اسی کے لیے زندگی گزارے اس کا دن چوبیس گھنٹوں کا نہیں ہوتا بلکہ کئی سال کا ہوتا ہے کیونکہ ہر ساعت میں اس کی نیکی لکھی جارہی ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو دعوت دین کے لیے مخصوص کرلے، حق بات کرے، شب و روز نیکی کی دعوت دے، وہ اس محدود زندگی میں لامحدود اجر پاتا ہے کیونکہ وہ سوتے جاگتے کھاتے پیتے سفر میں حضر میں ہر حال میں نیکیاں کمارہا ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ اس کے حسن نیت اور زندگی میں نیک کام کی مکمل منصوبہ بندی کرنے اور ہر وقت دین حق کی سربلندی کے لیے سوچنے کی وجہ سے اس کی زندگی سے تاریک گوشوں کو نکال دیتا ہے، اس کے دل کو منور کردیتا ہے، اس کو اپنے فضل و رحمت کے سائے میں لے لیتا ہے۔ جس نے اپنی زندگی اللہ کے لیے وقف کردی اللہ اس کی زندگی سے سیاہ نقطہ مٹا دیتا ہے وہ رات کو بھی روز روشن کی مانند ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر ثانیہ کئی برسوں کی عبادت کے برابر ہوتا ہے کیوں کہ وہ خیر و بھلائی کے راستے پر گامزن ہوتا ہے جبکہ راہِ حق و بقاء کے لیے جو بھی کام کیا جائے اس کا اجر وثواب بہت بڑا ہوتا ہے اگرچہ کام بالکل معمولی نوعیت کا ہو۔ اس لیے نیکی کے کام کا ایک لحظہ بھی پژمردہ زندگی اور بے عمل زندگی کے ہزاروں سال سے بہتر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس راز کو بطریق احسن جان گئے تھے۔ اسی لیے تو ہر وقت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خیر و بھلائی کے مزید کاموں کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔ کوئی بھی صحابی آکر نبی کریم ﷺ سے پوچھتا:

"دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ"

مجھے کوئی ایسا کام بتائیں کہ وہ کام کرکے جنت میں چلا جاؤں۔ (۱)

---

۱) البخاری، الزکاۃ: ۱۱



Marfat.com

بلا شبہ جن لوگوں کے دل اللہ تعالی کی معرفت سے منور ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ نیکی کرنے کے راستے تلاش کرتے ہیں۔ یعنی ایسے ذرائع اور وسائل تلاش کرتے ہیں جن کے سبب بقاء و دوام حاصل ہو سکے اور ابدی زندگی میں کامیابی ممکن ہو سکے۔ صحابہ کرام ہمیشہ رسول اللہ ﷺ سے نیکی کرنے کے بارے میں استفسار کرتے رہتے۔ ایسے لگتا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے نیکی میں آگے بڑھنے اور سبقت لے جانے کے لیے بے چین ہیں۔ تمام مرد، عورتیں، نوجوان، بچے اور بوڑھے نیکی کرنے کے لیے سرگرداں رہتے اور نیکی کے راستے میں موجود تمام رکاوٹوں کو ختم کرنے میں کوشاں رہتے۔

مثال کے طور پر حضرت نسیبہ مازنی رضی اللہ عنہا کو دیکھیے اپنی ساری زندگی جہاد میں گزار دی اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ ہجرت رسول کے بعد مسلسل مدینہ منورہ میں قیام کیا بدر اور احد میں عورت ہونے کے باوجود شریک رہیں۔ آپ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں جب جنگ شدت اختیار کر جاتی اور مڈبھیڑ حد سے بڑھ جاتی تو آپ خود مردانہ وار شجاعت کے جوہر دکھاتیں اور خود تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑتیں۔ ان کی اس جان نثاری کا مقصد وحید یہی ہوتا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں عملی شرکت ہو۔ جب آیت حجاب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جہاد میں مردوں کی طرح شرکت سے منع کر دیا۔ اس خبر کے بعد آپ اس قدر غمگین رہتیں جیسے کوئی بہت بڑا نقصان ہو چکا ہے۔ آپ روتی تھیں اور کہتی تھیں: میں گھر میں کیسے ٹھہر سکتی ہوں جب اللہ کے رسول ﷺ آپ جہاد کر رہے ہوں۔ (۱) یعنی اس کار عظیم سے روکنے کی وجہ سے آپ ہمیشہ غمگین رہتیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تیرہویں برس میں تھا جب رسول اللہ ﷺ بدر کے لیے روانہ ہوئے، میں بھی مجاہدین میں شامل تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے انگلی سے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ خدا کی قسم وہ رات میرے اوپر اس قدر بھاری تھی کہ میں نے اس سے زیادہ غمگین رات ساری زندگی میں نہیں گزاری (۲)

---

۲۷) حیاة الصحابہ، کاندھلوی: ۱/ ۵۹۷. ۵۹۸، اسد الغابہ، ابن الاثیر: ۹/ ۲۷۰ الاصابة، ابن الحجر: ۴/ ۴۱۸.

۲۸) کنز العمال. المتقی: ۱۳/ ۴۷۶.



Marfat.com

حضرت عمیر بن ابی وقاص سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے اور بدر کے موقع پر ان کی عمر بھی تیرہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ جب لوگوں کا انتخاب ہو رہا تھا تو انہوں نے ایڑیاں اٹھا کر اپنے آپ کو لمبا ظاہر کیا تا کہ چھوٹا سمجھ کر نبی کریم ﷺ ان کو چھوڑ نہ جائیں۔ چنانچہ ان کی کوشش کامیاب ہو گئی اور مجاہدین بدر میں شامل ہو کر انہوں نے اپنے لیے دائمی خیر وفلاح کا دروازہ کھول لیا، آپ غزوہ بدر میں شہید ہو کر ابدی جنتوں میں جا بسے (۱)

حضرت ابوسفیان نے فتح مکہ تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ شدید دشمنی رکھی اور کئی جنگیں لڑیں لیکن فتح مکہ کے بعد جب مسلمان ہوئے تو ہمیشہ نیکیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔ ان کو بھی اپنی گمشدہ متاع جہاد ہی میں ملی۔ ایک جنگ میں ان کی آنکھ میں دشمن کا نیزہ لگا اور اس پھوٹی ہوئی آنکھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تیرا کیا فائدہ تو نے تو ستر برس تک اپنے ساتھی کو نہ دیکھا۔ اس آنکھ کو پھینک کر دشمن کی صفوں کے اندر جا گھسے (۲)

حارث بن ہشام بڑے جرأت مند مجاہد تھے۔ بزنطینیوں کے ساتھ میدان کارزار گرم تھا۔ مسلمانوں کی تعداد ۱۰ ہزار تھی جبکہ دشمن ایک لاکھ جم غفیر کے ساتھ میدان میں کھڑا تھا۔ حارث نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے اہل بدر، اے اہل احد آپ نے رسول اللہ کے شانہ بشانہ جنگیں لڑی ہیں آپ نے حدیبیہ میں رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے (حالانکہ وہ خود ان کاروائیوں میں شامل نہ ہوئے تھے) آ و مل کر پرچم اسلام کو تھام لیں اور اس کو زمین پر نہ گرنے دیں (۳) اس طرح یہ علم زمین پر نہیں گرے گا کئی ہاتھ اس کو تھامے ہوں گے اس کی حفاظت کریں گے۔ ہاں یہ علم سربلند رہا اس کی حفاظت میں کئی بازو کٹ گئے۔ سرفروشان اسلام نے اس علم کی حفاظت میں جانیں نچھاور کر دیں۔ ایک قدم تک پیچھے نہ ہٹے۔ جانیں لٹاتے رہے اور علم اسلام کو لہراتے رہے۔ اس روز دشمن جتنے قدم بھی آگے بڑھا ان جان نثاروں کے جسموں پر ہی قدم پڑے جو

---

۱) حیاۃ الصحابۃ: کاندھلوی، ۱/۵۹۷.۵۹۸. اسد الغابۃ، ابن الاثیر ۲۸۰/۹، اصابہ ابن حجر ۲۱۸/۴

۲) اسد الغابہ، ابن الاثیر: ۱۴۹/۶

۳) الاصابۃ، ابن حجر: ۲۹۴/۱، اسد الغابہ، ابن الاثیر: ۴۶۰/۱، کنز العمال: المتقی ۳۱/۵۰



Marfat.com

اپنی جانیں نچھاور کر چکے تھے۔ بالکل حارث بن ہشام کی طرح جس نے اپنے جسم کے ٹکڑے کر کے ابدی خیر کو سمیٹ لیا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا بلاشبہ بہت بڑی آزمائش تھی لیکن اس کا حل بھی جہاد کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سیدنا بلال ؓ حبشی مؤذن رسول نے سیدنا ابوبکرؓ کے زمانے میں کئی بار مدینہ چھوڑنے کی درخواست کی لیکن ابوبکر نہ مانے کیونکہ ابوبکر ان کو حضور کی نشانی اور یادگار سمجھتے تھے جو ان کے پاس تھی۔ لیکن بلال شوق جہاد میں گھل رہے تھے اور جنگوں میں تلواروں کے جوہر دکھانے کے عادی تھے۔ بلال تو ہمیشہ جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے تھے۔ اس لیے محض اذان کے لیے مدینہ منورہ میں رہنا ان کے لیے مشکل تھا جو ان کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔

ایک مرتبہ جمعہ کے روز دوران خطبہ بلالؓ کھڑے ہو گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوبکر اگر آپ نے مجھے اپنی ذات کے لیے آزاد کرایا تھا تو پھر مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے مجھے آزاد کیا تھا تو مجھے چھوڑ دو میں اللہ کی خاطر نکلوں۔ (۱)

چنانچہ بلالؓ شام کی طرف روانہ ہو گئے وہاں میدان کارزار گرم تھا۔ وہیں دوران جہاد شہید ہوئے اور کسی نامعلوم جگہ دفن کر دیے گئے۔ انہیں اس مقام تک محض جذبہ جہاد اور شوق شہادت نے پہنچایا۔

ابوخیثمہؓ غزوہ تبوک کے موقع پر باقی ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اور سارے لوگ مدینہ سے دور جا چکے۔ انہوں نے اس تاخیر پر خود اپنے آپ کو سزا دی اور بڑے نادم ہوئے انہوں نے گھوڑا لیا اور سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا اور جب گھوڑا تھک جاتا تو اتر کر اپنا سامان بھی پیٹھ پر رکھ لیتے اور چلتے رہتے تاکہ جلدی قافلہ میں مل جائیں۔ آخر کار قافلے والوں نے دور مدینہ کی طرف غبار اڑتے دیکھا قافلہ اُس وقت پانی پینے کے لیے رکا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو نہ ہو ابوخیثمہ ہی ہو گا تھوڑی دیر بعد ابوخیثمہ صاف دکھائی دینے لگے۔ آپ ﷺ ان کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور ان کی آمد کو بہت اچھا قرار دیا۔ ابوخیثمہ قافلہ میں پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کیا میں تو ہلاک ہو گیا تھا۔ (۲) کیونکہ جہاد سے پیچھے رہ جانا بہت بڑا گناہ تھا۔ ابوخیثمہ ڈر گئے کہ اس قدر بڑے گناہ کے سبب کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔

۱) اسد الغابة، ابن الاثیر: ۱/۲۴۴۔

۲) مسلم، توبہ، ۵۳ الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر: ۲/۲۷۸، اسد الغابة، ابن الاثیر، ۶/۹۳۔



Marfat.com

جہاد بڑی بڑی بھلائیوں کا دروازہ ہے۔ جو اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے تو دو میں سے ایک خیر کثیر کو پا جاتا ہے۔ یا تو شہید ہو کر ابدی جنت میں چلا جاتا ہے یا غازی بن کر دنیا و آخرت کی خیر وثواب سمیٹتا ہے۔ جہاد میں اس طرح کی عظیم برکات ہیں۔

## ۶۔ جہاد ابدی زندگی کا سرراز

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہوتے ہیں وہ زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اس بات پر قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور بے شمار تاریخی واقعات دلالت کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر سلیمان شاہ کو لیجیے جو عثمانی سادات کے اولین مجاہدین میں سے تھا اور سلطان مراد کا بڑا بھائی تھا۔ یورپ میں برسرپیکار مجاہدین کے سپہ سالار کی حیثیت سے جنگ کرتا رہا اور رومیوں کے خلاف بڑے معرکوں کی قیادت کی۔ وہ اپنے والد کے بعد عثمانی سلطنت کا متوقع بادشاہ بھی تھا اور یورپ کے معرکوں میں معروف تھا اور چناق قلعہ فتح کرتے ہوئے یورپ کی طرف پیش قدمی میں مصروف تھا۔ جزیرہ نما ''گیلی بولو'' پر قبضہ مکمل کر کے وہاں حکومت قائم کر چکا تھا۔ یہاں سے آگے بولائر تک فتح کر لیا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اب وہ بادشاہت کے منصب پر فائز ہوگا، لیکن اس کا دل کسی اور طرف مائل ہو چکا تھا اور اسے گویا شہادت سامنے نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے سپاہیوں اور کمانڈروں کو جمع کیا اور یوں مخاطب ہوا۔ اگر میں آج مر جاؤں تو رومیوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملنے پائے ورنہ وہ دوبارہ جنگ کے لیے لوٹ آئیں گے اور مفتوحہ زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ میری یہ وصیت یاد رکھو کہ میرے جنازے کے پیچھے نہ پڑ جانا بلکہ ایک شخص کی طرح اپنی پوری قوت مجتمع کر کے دشمن پر اللہ کے بھروسے کے ساتھ بھرپور حملہ کرنا اور اپنے رسول ﷺ کے حکم پر عمل کرنا، انہوں نے فرمایا تھا: خبردار جہاد سے کبھی راہ فرار اختیار نہ کرنا۔

پھر اچانک سلمان شاہ کا گھوڑا گہرے کھڈ میں جا گرا اور سلطان سر کے بل زمین پر جا لگا اور شہید ہو گیا۔ تمام کمانڈر اس کے جنازے پر جمع ہو گئے وہیں سے بیک وقت دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا۔ رومی فوج تتر بتر ہو گئی۔ ایک عرصے کے بعد دشمن فوج کے سپاہی اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگے: اس روز ہر وار کے موقع پر مسلمانوں کی فوج سے ایک خوبصورت لمبا نوجوان سبز پگڑی باندھے گھوڑے پر سوار ہو کر نمودار ہوتا اور اس کے ہاتھ میں چمکتی تلوار تھی وہ بھرپور وار کرتا اور پوری فوج کو دائیں بائیں بکھیر کر رکھ دیتا۔



Marfat.com

اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں سیدنا مصعب بن عمیر کی شہادت کے بعد ان کی جگہ ایک بزرگ فرشتے کو لڑنے کے لیے بھیج دیا (۱) اور جیسے سیدنا حمزہ کے عظیم معرکہ کو قیامت تک کے لیے بقا سے نوازا گیا، بالکل اسی طرح سلمان شاہ کے جہادی اعمال کو بھی فرشتے کی مدد سے جاری رکھا، کیونکہ سلیمان شاہ اسم محمد کو یورپ کے قلب تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ دلیل ہے کہ شہداء واقعی زندہ ہوتے ہیں۔

برطانوی فوج کا سپہ سالار ہاملٹن بھی معرکہ جناق قلعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے، ہماری جنگ آپ کی تلواروں اور بندوقوں سے نہ تھی، بلکہ ایسے نوجوان تھے جو سبز عمامے پہنے ہوئے مسلم فوج کے آگے آگے تھے۔ ہماری گولیاں، حملے اور توپیں ان پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں یعنی جن بہادروں کا ذکر ہاملٹن اس بیان میں کر رہا تھا وہی تو شہیدوں کی روحیں تھیں۔ یقیناً وہ زندہ ہیں ان کے قریب اب موت نہیں آسکتی۔ جو مومن عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دے تو اس کی عزت قیامت تک قائم رہے گی اور جس دین کو اس نے قبول کیا تھا اس کا پرچم تا قیامت سر بلند رہے گا۔

یقیناً ایسی مبارک موت اسی کے نصیب میں ہوتی ہے جو دین کی خاطر موت کو گلے لگاتا ہے۔ اس فانی زندگی کو حقیر سمجھتا ہے۔ ایسے بہادر نسل در نسل بہادر ہوتے ہیں۔ جہاد جیسا عظیم کام وہی پاک طینت روحیں کرتیں ہیں جو پیدائشی پاک اور صاف ہوتی ہیں۔ امت ان کا اس قدر احترام کرتی ہے کہ وہ قبر میں نہیں ہوتے بلکہ امت کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ . (البقرہ:۱۵۴)

”جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔“

اگر لوگوں کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ شہداء کس قدر نعمتوں میں ہیں۔ اگر یہ ممکن ہو جائے کہ ان کی روحوں سے بات ہو سکے تو یہ دنیا والے سنیں کہ وہ شہید

۱) طبقات کبریٰ. ابن سعد: ۳/ ۱۲۱، مغازی، الواقدی: ۱/ ۲۳۴



Marfat.com

تو ان دنیا پرستوں کا ماتم کر رہے ہیں۔ ہم تو شہداء کے فراق میں روتے ہیں ان کے یتیم بچوں پر ترس کھاتے ہیں لیکن وہ تو دنیاداروں کہ حالات پر ترس کھاتے ہیں اور ان کے لیے روتے ہیں جنہوں نے دنیا کے بت کو پوجنا شروع کر دیا ہے، جو یہاں آرام وسکون سے رہتے ہیں اور اس ذلت، نحوست اور غلامی پر راضی ہو چکے ہیں اور جہاد سے منہ موڑ چکے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دیا ہے۔ وہ شہداء ہماری سیاہ کاریوں بھری زندگی، ہمارے ان مصلّوں پر جورات بھر فارغ رہتے ہیں اور ان پر ہمارے آنسو نہیں گرتے، ہماری بدترین حالت پر ماتم کر رہے ہیں۔ درحقیقت شہداء جنت کی وسعتوں میں حقیقی عیش بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا وہ ہمیشہ اللہ کے ساتھ نہیں رہتے؟ اور کیا ان کی جنتی وابدی نعمتوں بھری زندگی کے مقابلے میں ہماری زندگی جہنم نہیں ہے۔ یہ زندگی جو ہم جی رہے ہیں اللہ سے دوری کے سبب شیطانی زندگی بن چکی ہے۔ یہ زندگی کس نتیجہ کا پیش خیمہ ہے؟ کیا وہ نتیجہ برداشت ہوگا؟ لیکن ہم ہیں کہ اس زندگی کی حرص اور لالچ میں اندھے ہو رہے ہیں۔ یہ کس قدر افسوسناک طرز زندگی ہے۔



Marfat.com

# تیسری فصل

## جہاد، مومن اور کائنات



Marfat.com

Marfat.com

## ا۔ جہاد ہر مسلمان پر فرض

اس دار فانی میں آنے والے ہر فرد نے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ پھر اس فانی دنیا کو ختم ہوجانا ہے۔ مال ختم ہوجائے گا۔ مکان منہدم ہوجائیں گے۔ انسان کے کام صرف اور صرف وہی آئے گا جو اس نے اس دار فانی سے دار باقی کی طرف بھیجا ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس باقی رہنے والی زندگی کے لئے وہاں جانے سے پہلے پوری کوشش کے ساتھ کچھ بھیجا جائے۔

یہ قطعی حقیقت ہے کہ انسان کا نامہ اعمال اس کی موت کے ساتھ بند ہوجاتا ہے۔ اور اس کو اسی نامہ اعمال کی روشنی میں آخرت میں اجر ملے گا۔ البتہ ایسا شخص جس نے اپنے دین کی خاطر، امت مسلمہ کی بھلائی کی خاطر، اپنی عزت و غیرت کی خاطر، اسلامی شریعت کی روشنی میں کوئی خدمت سرانجام دی ہوتی ہے اور جس نے اپنی جان اور مال اللہ کے دین کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے لگا دیا، اس کا نامہ اعمال بند نہیں ہوتا بلکہ اس کی نیکیاں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس بات کی وضاحت حدیث شریف میں ان الفاظ میں ہوتی ہے:

”كُلُّ الْمَيِّتِ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ اِلَّا الْمُرَابِط، فَاِنَّهُ يَنْمُولَهُ عَمَلُهُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤَمَّنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ“

”ہر مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے سوائے سرحد پر پہرہ دینے والے کے۔ اس کے اعمال میں روز قیامت تک اضافہ ہوتا رہے گا اور قبر کی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔“ (۱)

بلاشبہ مرابط وہ شخص ہے جس نے کسی نیک کام کی بنیاد رکھی۔ نیکیوں اور بھلائیوں کے راستے ایجاد کیے۔ اس نے ایسے صدقات جاریہ کیے جو اس کی موت کے بعد بھی لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ جس شخص نے بھی اس کے نیک کام کے نتیجے میں کوئی کام کیا اور اس کے کسی نیک کام کو جاری

---

۱) ترمذی، فضائل جہاد: ۲۔ ابو داؤد، الجہاد۔ ۱۵



Marfat.com

رکھا تو اس کا ثواب اس آغاز کرنے والے کو پہنچتا رہتا ہے۔اور پھر وہ قبر کی آزمائشوں اور عذاب سے بھی بچا رہتا ہے۔اس لیے کہ وہ درحقیقت مرا ہی نہیں کہ عذاب قبر میں مبتلاء ہو بلکہ وہ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا گیا۔اس کے عظیم کارناموں نے اسے لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

جو شخص کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوت ہو چکے ہیں وہ درحقیقت خود مردہ ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے لیے ایسا اسوہ حسنہ چھوڑا ہے کہ ہم اگر اس پر چلیں تو زندگی میں ہمیں کامرانیاں اور ترقیاں نصیب ہونگی اور یہ سب کچھ انہیں کے چھوڑے ہوئے اسوہ کی وجہ سے ممکن ہے۔جیسے جیسے ہمیں ان کی سنتوں اور آثار کا علم ہوتا ہے ہم اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بلند کرے ان سے راضی ہو، انہوں نے ہمارے لیے ایسے راستے پر چلنا آسان کر دیا ہے جو اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔ہم بڑے آرام واطمینان سے اس راستے پر چلتے ہیں۔

ان کے درجات بلندیوں میں عرش تک پہنچے ہوئے ہیں وہ تو عذاب قبر میں مبتلا نہیں ہوں گے کیونکہ عذاب قبر مردوں کے لیے ہوتا ہے۔ہاں عذاب قبر ایسی مردہ روحوں کو ہوتا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو دین کے رنگ میں نہ رنگا ہو جو اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے زیادہ بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً“

اللہ کے رنگ سے زیادہ بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے۔البقرۃ:۱۳۸۔

عذاب قبر تو ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے احمد مجتبیٰ ﷺ کے طریقے پر عمل نہ کیا اور قرآن کریم کو زندگی کا دستور نہ بنایا البتہ جن لوگوں نے اپنی زندگیوں کو ان حقائق کے لیے وقف کر دیا اور اللہ کے راستے کو اپنا لیا وہ تو عذاب قبر سے نجات پا گئے۔سید الکونین سردار دو عالم ﷺ جہاد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”مَنْ رَابَطَ لَيْلَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ كَانَتْ كَأَلْفِ لَيْلَةٍ صِيَامِهَا



Marfat.com

وَقِيَامِهَا"

جس شخص نے اللہ کے راستے میں ایک رات محاذ پر پہرہ دیا گویا اس نے ایک ہزار راتیں قیام کیا اور ایک ہزار دن روزہ رکھا۔(۱)

یعنی کہ اگر تم ایک رات اللہ کے راستے میں محاذ جنگ پر دشمن سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے والے مجاہد کے برابر ثواب حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں ایک ہزار روزے رکھنا ہوں گے اور ایک ہزار راتیں عبادت میں گزارنا ہوں گی۔ اور پھر بھی تم اس مجاہد کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے۔

بعض مؤمنین تو ایسے ہیں جو جہاد کا حق ادا کر دیتے ہیں اور وہ فضائل حاصل کر لیتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو ان فضائل کو بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن عملاً جہاد میں شریک بھی نہیں ہوتے اور یہ اللہ ہی کا فضل اور احسان ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر چہ اس نے عملاً تلوار یا بندوق نہیں اٹھائی لیکن ایمان اور قرآن کی سر بلندی اور خدمت کے لیے ہونے والے کسی نہ کسی سطح کے کام میں شریک رہا، چاہے اس نے ایک پتھر ہی اٹھا کر دیا ہو اور اس سے کوئی دینی خدمت ہوئی ہو اس کا وہ عمل رائیگاں نہیں جائے گا۔

جس نے کسی مسئلہ میں حصہ لیا کسی بھی سطح پر صلح مشورہ میں شامل رہا، دینی خدمت کے کسی منصوبہ کو پایا تکمیل تک پہنچانے میں اس کا بھی حصہ رہا تو وہ شخص ان میں سے اپنے حصہ کے کام اور اپنی نیک نیتی کا اجر پالے گا۔

جہاد بالقلم کرنے والا بھی اجر لے گا، کاغذ مہیا کرنے والا، اس کو چھاپنے والا اور اس کو شائع کرنے والا سب مکمل ثواب حاصل کریں گے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع کسی بھی نیکی کے کام میں اپنا کردار ادا کرے اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ جسمانی و علمی طاقت کو بروئے کار لائے تا کہ اجتماعی طور پر ہونے والے نیکی کے کام میں اسکا اجر بھی محفوظ رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حدیث معراج میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ چلے اور آپ کے ساتھ جبریلؑ بھی تھے ان کا گزر بعض

۱) ابن ماجه : جهاد ، ۷.



Marfat.com

لوگوں پر ہوا جو ایک دن فصل لگاتے ہیں اور وہ تیار ہو جاتی اور اسے کاٹ لیتے ہیں جیسے ہی فصل کاٹتے ہیں پیچھے فصل تیار ہوتی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ جبریلؑ نے کہا:

"هٰؤُلَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ تضاعف لَهُمُ الْحَسَنَةُ بِسَبْعِمَائَةِ ضِعْفٍ وَمَا أَنْفَقُوا مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يَخْلُفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ"

یہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی نیکیاں سات سو گنا بڑھا دی جاتی ہیں، جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے اس کا اجر ان کے لیے باقی ہے اور وہ (اللہ) بہترین رزق دینے والا ہے۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کے سفر پر آسمان در آسمان جا رہے تھے اور اس دنیا سے بنفس نفیس عالم بالا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ہر آسمان پر آپ نے مختلف مناظر دیکھے۔ اسی سیر کے دوران آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جو جس روز فصل بوتے ہیں اسی روز فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ اور اسے کاٹ لیتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے کاٹتے جاتے ہیں پیچھے سے فصل پھر تیار ہو جاتی ہے۔ یہ حالات دیکھ کر آپ نے جبریلؑ سے استفسار کیا یا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟۔۔۔۔۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو مومن اپنی جان و مال، آرام و راحت اور جوانی و بڑھاپا اللہ کے راستے میں قربان کر دیتا ہے اسے یقین ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ نہ تو ضائع جائے گا اور نہ ہی کبھی فنا ہو گا۔ جب وہ اس دنیائے فانی سے دار الباقی کی طرف کوچ کرے تو اطمینان قلب کے ساتھ جائے وہاں وہ دیکھ لے گا کہ اس نے اپنے اعمال کا ذرہ برابر بھی ضائع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا نگہبان ہے۔ جو کچھ مومن اس کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اس کے

۱) تفسیر ابن کثیر ۳۱/۵



Marfat.com

اعمال کا اچھا بدلہ دیتا ہے۔ وہ تو اس قدر مہربان و کریم ہے کہ اگر انسان ساری عمر اور ہمیشہ کے لئے سجدہ میں سر ڈال دے اور کبھی اوپر نہ اٹھائے تو اللہ کے فضل و کرم اور انعامات و اکرامات کا بدلہ انسان نہیں چکا سکتا۔ اگر جنت میں سجدہ کرنا ثابت ہو تو انسان جنت میں ہمیشہ کے لیے سجدہ ریز ہو جائے۔ اللہ کے شکر ادا کرنے کے لئے اسی حالت میں پڑا رہے تو مجھے یقین ہے کہ اس سجدہ سے اسے جو روحانی لذت اور سکون ملے گا وہ جنت کی دوسری نعمتوں سے کم نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ جہاد کے معاملات میں حصہ لینے کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خلف غَازِياً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ اغَزَا"

"جس نے اللہ کے راستے میں لڑنے والے کے لیے اسباب مہیا کیے گویا کہ اس نے خود جہاد کیا۔ اور جس نے اللہ کے راستے میں لڑنے والے کے گھر والوں کی دیکھ بھال کی گویا کہ اس نے بھی خود جہاد کیا۔"(۱)

جو شخص بذات خود جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا لیکن ایسے شخص یا جماعت کی مدد کرتا ہے جو مجاہدین کو تیار کر کے جہاد کے لیے روانہ کرتی ہے تو وہ عملاً جہاد میں شریک ہوتا ہے اور مجاہد کا اجر حاصل کرتا ہے۔ جن لوگوں نے مجاہدین بدر کی مدد کی احد کے لیے مجاہدین کے لیے زاد راہ تیار کیا، تبوک کے مجاہدین کے لئے مال خرچ کیا، وہ اللہ کے ہاں روز محشر ان مجاہدین کے ساتھ ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا اگرچہ عملاً مجاہدین کے ساتھ شریک ہونے سے معذور رہے لیکن وہ درحقیقت جہاد سے پیچھے نہ رہے۔

یقیناً جو لوگ غزوہ تبوک میں شامل تھے ان کی بیویاں، ان کے بچے، ان کے والدین، اہل مدینہ کے بوڑھے اور جوان قیامت کے روز مجاہدین تبوک کے ساتھ ہوں گے۔ جہاد پر نکلنے سے پہلے بچوں نے چھریاں اور چھوٹے ہتھیار پیش کر دیے۔ خواتین اور دلہنوں نے اپنے زیورات دے

---

۱) بخاری، الجہاد: ۳۸، ترمذی فضائل جہاد: ۶، نسائی، جہاد: ۴۴.



Marfat.com

دیے۔ یہاں تک کہ بوڑھوں نے اپنا مال و متاع غزوہ تبوک کے چندے میں حضور پاک ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ہر شخص نے کچھ نہ کچھ حصہ ڈالا تا کہ اس کا حصہ بھی جہاد میں شامل ہو جائے۔(۱)

ان تمام لوگوں کے ساتھ قیامت کے روز مجاہدین تبوک کا سا معاملہ ہوگا۔ ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ بِالْمَدِینَةِ لَرِجَالاً مَاسِرْتُمْ مَسِیراً وَلاَ قَطَعْتُمْ وَادِیاً اِلاَّ کَانُوا مَعَکُمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ"

"بلاشبہ مدینہ میں کچھ لوگ ہیں کہ تم جس وادی میں سے گزرتے ہوئے جس راستے کو بھی عبور کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کو مرض نے روک لیا ہے۔"(۲)

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کو جہاد پر جانے سے کوئی واقعی عذر روکتا ہے جیسے بڑھاپا، کمزوری، غریبی، عورت ہونا وغیرہ تو اس کا اجر کم نہیں ہوتا بلکہ مجاہدین کے برابر ثواب کا حقدار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معذور لوگوں کو عملاً جہاد کرنے والوں کے ساتھ شامل کرتا ہے۔ اللہ ان کو ان کی نیتوں کے مطابق اجر دے گا۔ گزشتہ حدیث شریف سے یہی معنی ہمیں سمجھ آتا ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے) کہ یہ ہمارے حق میں دعا ہے۔ خاص طور پر آج کے دور میں جبکہ جہاد کو عملاً چھوڑ دیا گیا ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس نے بھی مکمل طور پر یا کسی حد تک ایمان و قرآن کی خدمت میں حصہ لیا، وہ مکمل جہاد کا اجر پائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اس یقین کو کمزور نہ ہونے دے۔

---

۱) مغازی، واقدی: ۳/۹۹۱، ۹۹۲، حیاۃ الصحابہ، کاندھلوی: ۱/۴۲۱، ۴۲۲

۲) مسلم، امارۃ: ۱۵۹، بخاری، مغازی: ۸۱.



Marfat.com

## ۲۔ ہر آن جہاد کے لیے تیار رہنا

مومنین کو ہر حال میں پیش آمدہ چیلنجوں کے مقابلہ کے لیے مکمل طور پر تیار رہنا ہوگا۔اپنی صحت اور جوانی کو اس راستہ کے لیے بچا کر رکھنا ہوگا۔اس عظیم مقصد کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کرنا ہوگا۔تاکہ نئے نئے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

قرآن کریم ہمیں اس بات کی ترغیب دے رہا ہے۔فرمایا:۔

**وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ.** (الانفال:٦٠)

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے،زیادہ سے زیادہ تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو،تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

**"مَنِ احْتَبَسَ فَرَساً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اِيمَاناً بِاللّٰهِ وَتَصْدِيقاً بِوَعْدِهِ فَاِنَّ شبعَهُ وَرِيَّهُ وَرَوْثَهُ وَبَوْلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَهِ"**

"جس نے اللہ کے راستے میں اللہ پر ایمان لاتے ہوئے اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے گھوڑا پالا تو اس کا چارہ،اس کا پانی،اس کی لید اور اس کا پیشاب بھی قیامت کے روز اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔"(١)

---

١) بخاری،جہاد:٤٥،مسند احمد:٣/٣٧٤



Marfat.com

کس قدر دلچسپ انداز میں اس حدیث شریف میں جہاد کی تیاری کی ترغیب دی گئی ہے۔ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے گھوڑوں کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَلْخَیْلُ لِثَلَاثَۃٍ : لِرَجُلٍ أَجْرٌ ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ ، وَعَلٰی رَجُلٍ وِزْرٌ ، فَأَمَّا الَّذِي لَہُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَھَافِی سَبِیلِ اللّٰہِ، فَأَطَالَ فِی مَرْجٍ أَوْرَوْضَۃٍ ، فَمَا أَصَابَتْ فِی طِیَلِھَا ذٰلِکَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَۃِ کَانَتْ لَہُ حَسَنَاتٌ، وَلَوْأَنَّھَا قَطَعَتْ طِیَلَھَا، فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَیْنِ ، کَانَتْ أَرْوَاثُھَا وَآثَارُھَا حَسَنَاتٍ لَہُ ، وَلَوْ أَنَّھَامَرَّتْ بِنَھْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْہُ وَلَمْ یُرِدْأَنْ یَسْقِیَھَا کَانَ ذٰلِکَ حَسَنَاتٍ لَہُ . وَرَجُلٌ رَبَطَھَا فَخْراً وَرِیَاً وَنِوَاءً لِأَھْلِ الْإِسْلَامِ فَھِيَ وِزْرٌ عَلٰی ذٰلِکَ."

"گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے پاس ہوتے ہیں۔ایک آدمی کے لئے یہ باعث اجر ہیں،ایک کے لئے روزی کا ذریعہ،اور ایک کے لئے بوجھ اور مصیبت۔چنانچہ جس کے لئے باعث اجر ہے وہ شخص ہے جس نے گھوڑے کو اللہ کے لئے پالا۔وہ اس کے کھیتوں،سبزہ زاروں اور باغوں میں رہا۔اس کے رہنے اور کھیت میں باندھنے کے علاقے میں وہ جتنے چکر کاٹتا رہا۔اس کے چرنے اور پھرنے اور اس کے گوبر اور لید کے بدلے اس کے لیے نیکیاں ہیں۔اگر چہ اس گھوڑے نے پانی کی نہر سے گزرتے ہوئے خود ہی پانی پی لیا حالانکہ مالک نے اسے پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا تھا پھر بھی اس کے لئے اجر ہے۔رہا وہ شخص جس کے لئے گھوڑا رکھنا بوجھ اور مصیبت ہے یہ وہ شخص ہے جس نے تکبر،فخر،دکھلاوے اور اہلِ اسلام کے ساتھ دشمنی کے لیے گھوڑا رکھا



Marfat.com

تو یہ گھوڑا اس کے لئے مصیبت ہے۔"(۱)

اس حدیث شریف میں گھوڑے کا ذکر ہوا ہے کیونکہ اس زمانے میں گھوڑا ہی نقل وحرکت کا تیز ترین اور جنگ میں استعمال ہونے کا بہتر ذریعہ تھا۔ آج کے زمانے میں اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہی بات گاڑیوں، ٹینکوں اور جہازوں کے لئے کہی جاسکتی ہے۔ یعنی ایک گاڑی ایسی ہے جو انسان کی آخرت کے لیے مصیبت ہے۔ یعنی جسے وہ گناہوں اور فضولیات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور ایک گاڑی وہ ہے جو انسان نے اپنے استعمال کے لیے رکھی ہے۔ یا اس سے روزی کماتا ہے اور اس میں سے اللہ کا حق ادا کرتا ہے۔ اور ایک گاڑی وہ ہے جسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا گیا ہے۔ اس گاڑی پر گاڑی والا علماء اور واعظین کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔ وہاں دین کی تبلیغ و دعوت ہوتی ہے۔ ایسی گاڑی میں ڈلنے والے ایندھن کا ایک ایک قطرہ، ایک ایک پیسہ جو اس پر خرچ ہوتا ہے، اس سے نکلنے والا دھواں اس سے نکلنے والی آوازیں، اس کے ٹائروں سے لگنے والی مٹی اور گرد ہر چیز کے بدلے گاڑی والے کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ گویا یہ گاڑی چلتے ہوئے نیکیاں بنا رہی ہے۔ اور نیکیوں کی فیکٹری کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس گاڑی میں داخل ہونے والی ہر چیز، اس گاڑی سے نکلنے والی ہر چیز، اس گاڑی کے چلنے سے زمین پر پڑنے والے نشانات بھی ایک کام کر رہے ہیں یعنی نیکیاں پیدا کر رہے ہیں جو مومن کے میزان میں جمع ہو رہی ہیں۔

ہم ایسے گاڑی والے کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں جس نے ایمان وقرآن کی خدمت کے لیے گاڑی وقف کی، دعوت حق کی ادئیگی کا بار اٹھایا۔ وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میرا گاڑی خریدنے کا مقصد ہی دین حق کی اشاعت ہے۔ یہ بات طے شدہ حقیقت ہے کہ یہ عظیم کام کا نقطہ آغاز ہے جو مستقبل میں اس گاڑی کے ذریعے سے انجام پذیر ہوں گے۔

## ۳۔ مومن ہمیشہ جہاد سے منسلک رہتا ہے

جہاد مسلمان کی زندگی کا عظیم دستور اور نظام ہے۔ جب بھی مومن کے اندر سے روح

۱) البخاری، الجہاد: ۴۸، الترمذی، فضائل الجہاد: ۱



Marfat.com

جہاد ختم ہوتی ہے تو آہستہ آہستہ ایمان و اسلام سے محبت بھی جاتی رہتی ہے اور ہر طرف سے اسے فتنے گھیر لیتے ہیں۔ایک کے بعد ایک آزمائش اس پر آتی ہے۔تارکین جہاد کے گھر، محلے، مارکیٹیں، بازار اور منڈیاں بالآخر لعنت وشورش کا گڑھ بن جاتے ہیں اور ہیبت ناک قسم کے حالات کے سامنے ان کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں حتیٰ کہ کسی بھی کام کے قابل نہیں رہتے اور ان کی نبض ہی رک جاتی ہے۔

جیسے جیسے جہاد سے دلچسپی کم ہوتی ہے اسی تناسب سے دلوں سے وحی کی برکت بھی اٹھ جاتی ہے اور اللہ کے دین کے ساتھ لگاؤ اور محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔دلوں میں الہامات الٰہیہ کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔اس طرح خدائی اسرار سے دل خالی ہو جاتے ہیں۔انکے روشن دن بھی تاریک راتوں کی طرح ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فیضان وتجلیات انہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو جہاد کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔اور اللہ کی عظمت شان کے مطابق اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔جس معاشرہ میں ایسے مجاہدین رہتے ہیں کبھی مایوس و پشیمان نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس معاشرے میں اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے کوششیں ہوتی ہیں وہی معاشرہ ہے جس کے قبیلوں اور افراد میں یکجہتی ہوتی ہے۔جس معاشرہ میں بسنے والے مومن گاؤں گاؤں، قریہ قریہ اور قصبہ قصبہ چل کر اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کرتے ہیں اور دعوت حق لوگوں تک پہنچاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے معاشرہ کو ہمہ جہت کامیابیاں دلاتا ہے۔اور جو معاشرہ اس فریضہ کو ادا نہیں کرتا اور اس میں روح جہاد نہیں ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔آج نہیں تو کل یا اس کے بعد اس کو ختم ہونا ہے اور کل دور نہیں ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ کتنے ہی طاقتور ذلیل وخوار ہوئے، کتنے ہی مالدار فقیر ہوئے اس لیے کہ انہوں نے جہاد چھوڑ دیا تھا۔جو لوگ بادشاہوں کے درباروں کے گرد چکر کاٹتے رہے آخر کار ذلیل وخوار ہوئے اور ان کے پاؤں چوم کر گزرنے لگے۔ہم ان آیات کے ذریعے ان کو یاد دلاتے ہیں:

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ وَّنَعْمَةٍ



Marfat.com

كَانُوا فِيهَا فَكِهِينَ ۝ (الدخان۔۲۵۔۲۷)

”کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے۔ کتنے ہی عیش کے سروسامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے ان کے پیچھے دھرے رہ گئے۔“

کہیں ایسا دن نہ آجائے کہ لوگ ہمارے اوپر یہ آیات پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن سے بچائے۔ آمین۔

ہاں امویوں، عباسیوں، سلجوقوں اور عثمانیوں پر فاتحہ پڑھی جا چکی ہے۔ اگر ہم بھی ان اثاثوں کو دشمن کے خلاف آخری قلعہ سمجھ کر استعمال نہیں کریں گے تو ہماری بھی فاتحہ پڑھی جائے گی۔ ہمیں چاہیے کہ مردوں اور مقبروں کی طرح نہ ہو جائیں بلکہ ہم وہ زندگی جئیں جو انسانیت کے لائق ہو۔

اگر ہم اللہ کے دین کی عظمت اور قدر کریں تو ہم اللہ کے ہاں اسی قدر اجر پائیں گے جس قدر ہم اپنے دلوں میں اس کے نام کی قدر و عظمت کو زندہ رکھیں گے اور اگر ہم نے اللہ کے حکم کو کوئی اہمیت نہ دی اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا نہ کیا تو اسی طرح اللہ کے ہاں ذلیل ہوں گے اور ہمارا نشان تک نہ رہے گا۔

اگر تم زندہ اور باعزت رہنا چاہتے ہو تو اللہ کا نام اپنے دل کی تختی پر لکھ لو۔ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنالو۔ اپنی زندگی سے ہر اس چیز کو اٹھا باہر پھینکو جس کا اللہ سے تعلق نہ ہو۔ بلکہ اپنے خوابوں کو بھی اللہ سے غیر متعلق چیزوں سے پاک کرلو اور اپنی زبان حال سے اقرار کرو: ایسی زندگی سے قبر کی تہہ بہتر ہے جس میں اللہ کی محبت نہیں، جس میں دعوت و تبلیغ نہیں، جس میں شریعت الٰہی کا نفاذ نہیں۔ پس ایسی زندگی سے موت بہتر ہے جس میں تجلیات الٰہی کے لیے دل نہ ہو۔ اس فکر و شعور کو پوری امت میں اجاگر کرنے کے لئے جدوجہد کرو۔ ہمارا معاشرہ اپنی اقدار و روایات کھو چکا ہے۔ ان کو دوبارہ بحال کرنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے کوششیں شروع کرو تا کہ تمہارا رب تمہیں نیست و نابود



Marfat.com

ہونے سے بچا لے۔

مؤمن جانتا ہے کہ اسے کس چیز کو کیسے ترجیح دینی ہے۔ وہ دنیا اور آخرت میں بقدر ضرورت اعتدال رکھتا ہے۔ وہ اس بات کا شعور رکھتا ہے کہ آخرت کی کیا اہمیت ہے اور اس فانی دنیا کے مقابلے میں کس حد تک آخرت کو ترجیح دینی ہے، جس میں ہیشگی ہے دوام ہے۔ اس لیے مؤمن ہمیشہ اللہ کے حکم کو دنیوی امور پر مقدم رکھتا ہے اور وہ فنا ہونے اور زائل ہونے والی اشیاء کو ہمیشہ باقی رہنے والے امور اور اشیاء پر ترجیح نہیں دیتا، بلکہ وہ دنیا کو اسی قدر اہمیت دیتا ہے جس قدر اس نے اس میں رہنا ہے اور آخرت کو اسی قدر اہمیت دیتا ہے جس قدر اس نے آخرت کی زندگی میں رہنا ہے۔ نہ تو یہودیوں کی طرح دنیا ہی میں اٹک کر رہ جاتا ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح دنیا سے بالکل کٹ کر رہتا ہے۔ مؤمن تو وہ ہے جو دنیوی معاملات کو آخرت کے مقابلہ میں حقیر سمجھتا ہے تا کہ آخرت میں وہ خود حقیر نہ بن جائے کیونکہ جو لوگ دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد ومحور بنا لیتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں وہ آخرت کی بھلائیوں سے محروم بھی ہوتے ہیں۔ یعنی جو شخص موت سے ہیبت کھاتا ہے وہ دنیا کی زندگی کی لذت بھی کھو دیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص دشمن کو میدان جنگ میں سامنے دیکھ کر ہوش گنوا بیٹھتا ہے اور اپنی زندگی سے محبت کی خاطر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اپنی مالی حالت اور زندگی کی فکر میں راہ جہاد سے فرار میں کامیابی سمجھتا ہے، وہ درحقیقت زندگی اور زندگی کے لوازمات سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یہاں تک کہ جو شخص دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر جہاد سے پیچھے رہتے ہوئے اپنی عبادت گاہ میں تن تنہا بیٹھا رہتا ہے بالآخر اس عبادت گاہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ پست حوصلہ اور کم ہمت لوگ ایک دن سب کچھ گنوا بیٹھیں گے اور سر کے بل گریں گے۔ جہاں تک بلند ہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کا تعلق ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے ستاروں بھری اس دنیا کی تعمیر کرتے ہیں۔ اس دنیا کو اپنے سامنے حقیر سمجھتے ہیں، اس بات کو نہیں مانتے کہ کوئی اور ان پر حکمرانی کرے بلکہ اپنے اندر یہ صلاحیت محسوس کرتے ہیں کہ دنیا ان کے پیچھے چلے اور وہی حکومت کریں اور ساری زندگی اس نظریہ پر قائم رہتے ہیں کہ دنیا کی حاکمیت انہی کا مقدر ہے۔



Marfat.com

جو لوگ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں ان پر ہمیشہ زندہ رہنے کا راز کھل جاتا ہے اور ابدی زندگی کا راستہ پا جاتے ہیں، لیکن جو لوگ دنیا کی چکا چوند میں غرق ہو جاتے ہیں اور اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ان کے لیے محال ہو جاتا ہے، اپنے فرائض بھول جاتے ہیں یہ لوگ اپنے ساتھ ساتھ امت کی ہلاکت کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اس طرح آنے والی نسل کو اس حال میں چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے غموں کا مداوا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

مؤمن اپنے جہاد سے ان بدترین نتائج کی قبل از وقت تلافی کرتا ہے۔ گلیاں اور گھر مؤمن کے جہاد کی وجہ سے منور ہو جاتے ہیں۔ بے راہ روی، ظلم و جبر اور انتہا پسندی جس نے اس دنیا کو خون کے سمندر میں ڈبو دیا ہے، مؤمن کے جہاد ہی سے ختم ہو سکتی ہے۔

مؤمن کے جہاد ہی سے اس دنیا میں انسانیت کے لیے امن و استحکام ممکن ہو سکتا ہے۔ مؤمن اس انسان کو کہتے ہیں جو اس عظیم مقصد کے لیے برسر پیکار ہو، چاہے وہ اس مقصد کے حصول میں کامیاب ہو یا نہ ہو۔ ہر دو صورتوں میں رحمت الٰہی اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور قیامت کے روز وہ نیکوکار اور صلحاء کے ساتھ ہوگا جنہوں نے دعوت کے میدان میں اپنے وعدے پورے کر دیے ہیں اور انہوں نے اللہ کی لامتناہی رحمتوں کے دامن تھام لیے۔

اس حقیقت کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ حق کے راستے پر چلے اور اس پر ثابت قدم رہے، نتیجہ یا انجام کار اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہر انسان اپنے ہدف کو حاصل نہیں کیا کرتا بلکہ انسان کے لیے کوشش کرنا شرط ہے، کامیابی حاصل کرنا اس کی ذمہ داری نہیں۔ ہر انسان کو چاہیے کہ کوشش جاری رکھے، حرکت میں رہے کام کرے، مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرے۔ جہاں تک اللہ کی رضا کا تعلق ہے تو وہ صرف اسی کے نصیب میں ہوتی ہے جس کو اللہ توفیق دے۔

جو جذبات غازی عثمان کے دل میں جوان تھے۔ جن اہداف کے حصول کے لیے وہ بے چین تھے، جن کے لیے وہ کئی برسوں تک کوشاں رہے، وہ اہداف ان کے پوتوں نے حاصل کئے۔ یعنی ان کے ہر بادشاہ نے جو بھی قدم بڑھایا، جو بھی کوشش کی، اس کی کوشش کا صلہ اس نے پایا چاہے وہ بظاہر



Marfat.com

کامیاب نہ بھی ہوا ہو۔ ہر کوشش کرنے والے نے اپنا صلہ پایا اور اللہ کے ہاں اس کاوش کی قدر ہوئی ان کے تمام کام جہاد ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ اس جہاد میں شریک رہے ان کے نامہ اعمال میں بھی ان کا جہاد بقدر حصہ لکھ دیا گیا۔ جس شخص نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر سفر کیا، جس نے اس گھوڑے کو تیار کیا جس نے تیر اٹھایا جس نے رخت سفر باندھا تاکہ دار الکفر میں جا کر دین اسلام کی دعوت پہنچائیں، تمام کے تمام مجاہدین کے زمرے میں شامل ہیں۔ ان لوگوں میں اور سپہ سالار لشکر میں اجر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ لشکر کے عام افراد اور اس سپہ سالار میں کوئی فرق نہیں جس نے دو سمندروں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور وہاں کا حکمران بن گیا دنیا میں اپنی قوت کا لوہا منوالیا۔ اپنا سکہ جاری کر لیا۔ کیونکہ لشکر کا عام فرد اور سردار دونوں ایک ہی مقصد اور ایک ہی منزل کے حصول کے لیے برسر پیکار تھے۔

جس دنیا کو بنانے کے لیے یہ جان نثاران اٹھے ہیں اس کی بنیاد ہی سکون، اطمینان اور امن و سلامتی پر ہے جو ساری دنیا میں پھیلنی چاہیے۔ اس لیے اس طرح کی دنیا بنانے کے لیے جو بھی قدم اٹھایا جائے گا وہ یقیناً مقدس ہوگا۔ اس راستے کا ہر کام عظیم کام ہوگا چاہے دیکھنے میں بالکل معمولی نوعیت کا ہو۔ اگر تم نیکی کے کام میں ایک قدم بھی آگے بڑھ سکتے ہو تو جان قبض ہونے سے پہلے وہ قدم اٹھالو۔ اپنے رب کی طرف جانے میں مکرم فرشتوں کے ساتھ مقابلہ کرو تاکہ رب جلیل کے ہاں تمہاری قدر بڑھ سکے اور وہ تمہیں بلند مقام عطا فرمائے اور اگر فرشتوں سے مقابلہ کے دوران ہی تمہاری روح قبض ہو جائے تو تم مقابلہ جیت جاؤ گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رائی کے دانے کے برابر نیکی کا اجر بھی ضائع نہیں ہوتا۔

اس آیت کے مفہوم پر غور کرو: ”وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۔“ (النساء:۱۰۰)



Marfat.com

''جوکوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسراوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر راستے ہی میں اسے موت آجائے۔اس کا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہوگیا۔اللہ بہت بخشش فرمانے والا رحیم ہے۔''

شاید اس آیت کا شان نزول ہی اس کا مفہوم بہتر طور پر واضح کرے گا۔اللہ پر ایمان لانے کے شوق میں دل تیزی سے دھڑک رہے تھے اور لوگ جوق در جوق عطائے الٰہی کو سمیٹنے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھے۔ایک ایک بھی اور گروپوں کی صورت میں بھی مدینہ کی طرف ہجرت جاری تھی۔دلوں کے درمیان حائل رکاوٹیں ختم ہو چکی تھیں۔تمام لوگ اسلام قبول کرتے ہوئے سوئے مدینہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضری کے لیے جارہے تھے۔پرانی دشمنیاں دوستیوں اور محبتوں میں بدل رہی تھیں۔ہجرت کرنے والوں میں ایک صاحب جندب بن ضمرہ بھی تھے۔دل میں سوچا مجھے بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔اس طرح وہ کفار کے درمیان سے چھپ کر مدینہ منورہ روانہ ہوگئے اتنے دور پہنچے تھے کہ مدینہ کی بادنسیم ان کے جسم میں موجود رووں کو حرکت و تازگی دے رہی تھی لیکن مدینہ شہر پہنچنے سے قبل ہی شدید بیمار ہوگئے اور چلنا مشکل ہوگیا۔اپنے ہدف تک پہنچنے کے قابل نہ رہے۔جب انہیں یقین ہوگیا کہ اب مدینہ منورہ پہنچنا مشکل ہے اور موت قریب تر ہو رہی ہے تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور ٹوٹتے ہوئے دل سے کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے قبول فرمالے۔ایک تیرا ہاتھ ہے اور دوسرا تیرے رسول کا ہاتھ۔اب میں تیرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے تیرے رسول نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہوگئے۔یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو وہاں صحابہ میں بحث مباحثہ ہونے لگا کہ کیا جندب کو ہجرت کا اجر ملے گا یا نہیں؟ وہ تو مدینہ نہیں پہنچے اس لیے مہاجر نہ ہوئے۔(۱)

---

۱) اسد الغابہ ، ابن الأثیر: ۱/ ۴۱۲، ۴۱۳ الدر المنثور،السیوطی: ۲/ ۶۵۰، ۶۵۴



Marfat.com

اس مسئلہ کے حل کے لیے درج بالا آیت نازل ہوئی جس میں خوشخبری ہے کہ جندب مہاجر ہیں یعنی جس شخص نے اپنا گھر بار اللہ کی راہ میں ہجرت کی نیت سے چھوڑا اور راستے میں جان ہار گیا وہ ہجرت کا پورا اجر حاصل کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق کے راستے پر چلنے والا بھی حق پر ہے اور جو اس سفر کو مکمل کر کے حق کو حاصل کر چکا ہے وہ بھی حق پر ہے اور دونوں اجر میں برابر ہیں۔ ہر شخص استطاعت نہیں رکھتا کہ خانہ کعبہ میں حاضری دے سکے، اس کے گرد طواف کرے۔ حجر اسود کو بوسہ دے سکے، لیکن اگر استطاعت نہ رکھنے والا اس سفر کے لیے بے چین ہو، وہاں جانے کے لیے فکر مند ہو، تگ و دو کرے، تو چاہے وہ وہاں نہ پہنچ سکے، رب جلیل ارحم الراحمین اس کو اجر و ثواب سے محروم نہیں کرے گا یعنی ایسے دل کو کبھی محروم نہیں کرتا جو اس کے گھر سے لگا رہتا ہے۔

اللہ کے راستے میں کوئی چھوٹا عمل کیا جائے یا بڑا، دونوں کا عظیم اجر و ثواب ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ ان کے ہاں جہاد کا مفہوم ہے تو وہ جان لیں اور جو کہتے ہیں کہ ہم دعوت کا کام کرنے سے قاصر ہیں وہ بھی جان لیں، جو لوگ کہتے ہیں ہمارے پاس اتنا ہے ہی نہیں کہ کسی جگہ خطیر رقم دے کر بڑی خدمت سرانجام دیں وہ بھی جان لیں:۔

کہ جو شخص بھی اس ربانی دستر خوان کو سجانے میں شریک ہوگا چاہے ایک چھوٹی چمچ کے برابر بھی اپنا حصہ ڈالے تو وہ اس شخص کے برابر اجر پائے گا جس نے سمندروں اور وادیوں کی مقدار میں حصہ ملایا۔

## ۴۔ اللہ والے حاکمیت کے اہل ہیں

جہاد آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور بعد میں آنے والے انبیاء نے اسے اپنے اپنے عہد میں جاری رکھا تاریخ کے ہر دور میں بڑی تعداد میں اللہ والوں نے اس جہاد کو جاری رکھا جن میں سے بعض کے نام ہم نے سن رکھے ہیں اور بعض کو ہم نہیں جانتے۔ قرآن کریم اس آیت میں ہمیں یہی حقیقت بتاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔



Marfat.com

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَ هَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ .

(آل عمران ۱۴۶۔۱۴۸)

''اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں، جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ باطل کے آگے سر نگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعا بس یہ تھی کہ: ''اے ہمارے رب، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔ آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔''

یہ آیات کریمہ ایسے اللہ والوں کا تذکرہ کرتی ہیں جو اس دنیوی زندگی کی فانی لذتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور دن رات اپنے رب کی رضا حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ہر اچھی اور قیمتی چیز اس کے راستے میں خرچ کر دیتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو اور اپنی جانوں کو بھی اللہ کی نذر کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ حق کا اظہار کرتے ہیں، ان کی زبانیں ذکر الٰہی سے تر رہتی ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا اپنے رب سے گہرا تعلق ہے، پورے قلبی لگاؤ کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اللہ والوں کا جہاد تو ایسے ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں تو موت سے ڈرتے ہیں، جہاد کی تکالیف ان کے پائے استقامت کو لرزش دے سکتی ہے نہ ہی کمزوری دکھاتے ہیں۔ جہاد کے سوا کسی اور چیز کو ترجیح نہیں



Marfat.com

دیتے۔ اگر آسمان پھٹ جائے یا زمین ان کو نگل جائے یا ان کے سروں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، وہ اپنے راستے پر رواں دواں رہتے ہیں۔ کسی قسم کی آزمائش ان کے عزم، حوصلے اور پیش قدمی کے آگے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ وہ حق پر چلنے کے لئے اپنے قلب و روح کو تیار کر چکے ہیں ۔ ایسے ہی لوگ صبر و استقامت کے پہاڑ ہوتے ہیں۔ صبر ان کی طبیعت اور فطرت میں نہ صرف راسخ ہو چکا ہوتا ہے بلکہ شوق کی حد تک پایا جاتا ہے۔ اسی شوق و جذبہ کے ذریعے اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دوسری جانب وہ پاکبازی اور طہارت میں فرشتوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے طور طریقے اپناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ گناہ اور سنگ دلی ایسی بیماریاں ہیں جو انسان کو ذلت، کم ہمتی اور عدم استقامت کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ پورے عزم صمیم اور ثابت قدمی سے زندگی گزارتے ہیں اور ہر لحظہ اپنے رب سے لو لگاتے ہیں۔ انہیں امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کے معاملات میں زیادتی کو معاف فرمائے گا۔ بلاشبہ گناہ اللہ کی رحمت کے آگے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے گناہ سے فوری طور پر توبہ کرنا ضروری ہے۔ شاید اسی لیے درج ذیل آیت کریمہ میں توبہ اور بخشش کی دعا کو نصرت کی دعا سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ إِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ٥ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥"

(آل عمران: ۱۴۷۔۱۴۸)

"اے ہمارے رب ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہے اسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت میں بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی



Marfat.com

نیک عمل لوگ پسند ہیں۔"

قرآن کریم اللہ کی محبت اور رضا حاصل کرنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہمیں بتاتا ہے۔ ہمیں ہدایت دیتا ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو تو سیدھا راستہ موجود ہے، اللہ والے بن جاؤ۔ اسی لیے ہر نبی اپنی امت میں سے خدا ترس لوگوں کی بھرپور تربیت کرتا رہا جو بعد میں اس نبی کی دعوت کے روح رواں بنے اور نبی نے ان کے ہاتھوں میں جہاد کا علم تھما دیا۔ پس ہر نبی کے ساتھ خدا ترس لوگ ہوتے ہیں چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ۔

یہ سنت الٰہی چلتی رہی یہاں تک کہ ہمارے نبی محترم ﷺ کا زمانہ آیا۔ آپ نے بھی اپنی براہ راست تربیت سے پاک طینت لوگوں کا ایک گروہ تیار کیا۔ وہ صحابہ کرام تھے اور وہی اللہ والے اور خدا ترس تھے جن کے ہاتھ میں آپ نے علم جہاد تھمایا۔ ہر صحابی جہاد، بہادری اور جرأت واستقامت میں اپنی مثال آپ تھا۔ گویا کہ ہر صحابی حواری تھا۔ راتوں کو زہد وعبادات میں حد کر دیتا، اور دن کی روشنی میں دشمن کے دل میں ان کے رعب کی وجہ سے حرکت ہی بند ہو جاتی۔ صحابہ کے سامنے وقت کی سپر طاقتیں زیر ہو جاتیں، دشمن ان سے اس طرح بھاگ جاتے جیسے بچے بڑوں سے بھاگ جاتے ہیں۔ یہ سب اس لیے تھا کہ وہ لوگ موت سے عشق کرتے تھے جبکہ ان کے دشمن موت کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے، خیر القرون کے زمانے سے بہادری کی چند مثالیں ایمان کو تازہ کرنے کے لیے ذکر کی جاتی ہیں۔

## ۱۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ

انس بن نضر رضی اللہ عنہ وہ غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکے حالانکہ آپ اور آپ کا پورا خاندان نور حق قبول کر چکا تھا اور انہوں نے اپنے دلوں میں اللہ کے نور کو بسا لیا تھا، اس طرح اس نور پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں اس کی حقیقت کو پہنچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن سب کچھ کے باوجود بعض بیرونی اسباب کی بنا پر انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس بات پر انہیں بے حد افسوس تھا اور ہمیشہ اس پر پشیمان رہتے تھے خاص طور پر جب بدر کے مجاہدین واپس مدینہ



Marfat.com

منورہ آئے تو انہیں دیکھ کر اپنی رانوں پر ہاتھ مار مار کر روتے اور کہتے: اے اللہ کے رسول میں اس حق و باطل کے پہلے معرکہ میں شریک نہ ہو سکا جو آپ نے مشرکوں کے خلاف برپا کیا۔ اگر اللہ نے مجھے ان مشرکوں سے کسی اور موقع پر لڑنے کا موقع دیا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ (۱)

ایک سال کے بعد قریش معرکہ بدر کا بدلہ لینے کے لیے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کے لیے بالکل مدینہ شہر کے دروازے پر احد پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہو گئے۔ جبل احد مدینہ منورہ سے صرف پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے ادھر انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو معرکہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے کہ اب مشرکین سے انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔ انہوں نے پوری طاقت اور ہمت کے ساتھ معرکہ میں کودنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ جب جنگ کی آگ خوب بھڑک رہی تھی تو انس پورے جوش اور ولولے سے سامنے آنے والے ہر کافر کو تہ و تیغ کر رہے تھے اور جو کبھی لڑائی میں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے ہر لحظہ جان کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس بے جگری سے لڑنے والا بہادر چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

جنگ ٹھنڈی ہو چکی تھی انس انتہائی مغموم اور حزین تھے کہ انہیں شہادت کا رتبہ کیوں نہیں ملا۔ اسی اثناء میں خالد بن ولید (جو اس وقت تک مشرک تھے) نے پلٹ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا، اس اچانک حملہ سے مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مجاہدین جو مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے سنبھل نہ سکے یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا، انس ان سربکف مجاہدین میں شامل تھے جو ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ انس جان بوجھ کر اپنے آپ کو دشمنوں کی صفوں میں لے جاتے ہوئے کہتے کہ اگر یہ واقعی سچ ہے کہ محمد ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو پھر زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ انس بن نضر موت سے محبت کرتے تھے۔ جام شہادت کے پیاسے تھے۔ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ جو کچھ یہ لوگ یعنی

۱) بخاری، تفسیر سوة الأحزاب (۳۳) ۱۴۶، مسلم، الإمارة، ۱۴۸.



Marfat.com

مسلمان کر رہے ہیں میں ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں اور جو کچھ وہ لوگ یعنی مشرکین کر رہے ہیں، میں ان سے بری الذمہ ہوں ۔(۱)

انس بن نضر نے مشرکین کے جرائم اور مذموم افعال سے براءت کا اعلان کیا، کفار سے لا تعلقی اور اللہ سے اپنے تعلق کا برملا اظہار کرتے ہوئے ایک مضطرب نظر مسلمانوں کی صفوں پر ڈالی تو ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ انہیں انتہائی دکھ اور تکلیف ہوئی ۔ یہ بات درست ہے کہ دشمن نے مسلمانوں کا کوئی خاص نقصان نہیں کیا تھا لیکن مسلمانوں کی صفوں میں بھگدڑ کو وہ برداشت نہ کر سکے گویا ان کے سینے میں کسی نے زہر آلود نشتر پیوست کر دیا ہو۔ دلبر داشتہ ہو کر پلٹے اور کہا: اے اللہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی طرف سے میں معافی کا طلبگار ہوں پھر دشمن کی صفوں میں کود پڑے اور واپس نہیں لوٹے ۔ان کی گھٹی میں خوف کی گنجائش ہی نہ تھی ان کی لغت میں خوف کا لفظ نہ تھا۔ وہ تو موت کو زندگی سے زیادہ پسند کرتے تھے ۔ چنانچہ جنگ ایک بار پھر خوب بھڑک اٹھی ۔ اگر چہ دوسری مرتبہ جنگ کرنے کا نتیجہ بھی مسلمانوں کے مجموعی مفاد میں رہا لیکن نقصان کا تناسب بڑھ گیا تھا۔ دشمن نے میدان میں مال و انفاس چھوڑے اور انہیں نقصان ذلت اور جانوں کے ضیاع کا تحفہ ملا۔ دشمن خود ہی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا، اور اس مرتبہ انہیں پلٹ کر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر دور تک ان کا پیچھا کیا۔

جب شہداء احد کی گنتی کی گئی تو تعداد ستر تھی جن میں ایک شخص انس بن نضر بھی تھا۔ ان کے جسم میں تلوار، نیزے اور تیر و نشتر کے اسی سے لے کر نوے تک زخم تھے۔ ان کی ہمشیرہ کہتی ہیں کہ زخموں کی اس قدر کثرت کی وجہ سے وہ پہچانے نہ جا رہے تھے میں نے ان کو انگلی کے پور سے پہچانا۔(۲)

بالآخر انس نے دوسرے صحابہ کی طرح جام شہادت نوش کر لیا قرآن کریم ان پر اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر اس طرح تبصرہ کرتا ہے:

---

۱) بخاری، تفسیر سورۃ احزاب (۳۳) ۱۴۶ .

۲) مصدر سابق



Marfat.com

"مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ."

(الأ حزاب:۲۳)

"ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔"

بلاشبہ انس بن نضر ان خوش بختوں میں شامل تھے جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا۔(۱)

## ب۔ براء بن مالک رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت براء بن مالک کو ان کے ان گنت کارناموں اور شجاعت بھری داستانوں کے باوجود کبھی لشکر کا سپہ سالار نہ بنایا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ان کو لشکر کا سپہ سالار کیوں نہیں بناتے تو فرمایا: ان کی حد سے زیادہ بہادری اور جرأت کی وجہ سے۔

وہ اس قدر دلیر اور نڈر تھے کہ یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کی بہادری کی وجہ سے ساری فوج کسی مشکل میں نہ پھنس جائے۔اسی لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ شدید محبت اور اہلیت کے باوجود کبھی لشکر کا سربراہ نہیں بنایا، انہیں ڈر تھا کہ ان کی حد سے زیادہ بہادری کہیں احتیاط کے پہلو کو نظر انداز نہ کر جائے۔

براء بن مالک رضی اللہ عنہ خوف نام کی کسی چیز سے واقف نہ تھے۔تمام غزوات میں شریک رہے کثیر تعداد میں کافروں کی گردنیں اڑائیں۔ ہر معرکہ میں موت کے پیچھے بھاگتے رہے اور جب موت ان سے دور بھاگ جاتی تو بہت افسردہ اور پریشان ہوتے اور میدان جنگ سے غمگین ہو کر لوٹتے۔

---

۱) نفس المصدر



Marfat.com

یمامہ میں شہادت کی منزل قریب تر تھی۔قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا وہ ستونوں سے اوپر چڑھے اور اوپر سے اپنے آپ کو اندر کی طرف گرا دیا دشمن نے گرتے ہی تیروں کی بارش کر دی بہت زیادہ زخمی ہوئے لیکن پھر بھی انہیں شہادت کا مرتبہ نصیب نہ ہوا۔

آپ مستجاب الدعوات تھے، رسول اللہ ﷺ نے خود صحابہ کرام کی موجودگی میں ان کی یہ صفت بیان کی کہ آپکی دعا کبھی رد نہیں ہوگی۔فرمایا:

"کَمْ مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِی طِمْرَیْنِ لَایُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِکٍ"

کتنے ہی بکھرے بالوں والے، غبار سے اٹے ہوئے، دو کپڑوں میں ملبوس لوگ ہیں، جن کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالی ان کی قسم کو سچ کر دکھاتا ہے۔انہی لوگوں میں براء بن مالک بھی شامل ہیں۔(۱)

صحابہ کرام جب کسی مشکل میں پھنس جاتے تو براء بن مالک کے پاس جاتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے،اہواز کے معرکہ میں بھی ایسے ہی ہوا جو مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ہوا تھا۔یعنی جب مسلمانوں کی صفوں میں بھگدڑ مچ جاتی تو لوگ حضرت براء بن مالک کے پاس جاتے اور جا کر دعا کی درخواست کرتے اور اللہ کی مدد آجاتی۔انہوں نے اہواز کے موقع پر بھی ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ دشمن کو شکست دے اور ہماری مدد فرما،اور مجھے اپنے نبی سے ملا دے، ہزاروں مسلمانوں نے کہا آمین آمین۔اس کے بعد انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو الوداعی نظروں سے دیکھا ان کی آنکھیں بجلی کی طرح خوشی سے چمک رہی تھیں۔زرہ پھینک دی اور بے جگری سے دشمن کی صفوں کو چیرنے لگے۔ان کی تلوار چاروں طرف چل رہی تھی۔کفار کو شکست ہوئی۔وہ بھاگ گئے۔اللہ تعالی نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔جب لوگوں میں فتح کی خبر تیزی سے پھیل گئی تو میدان کارزار مین ایک شیر خون میں لت پت پڑا تھا۔اس کے ہونٹوں کی ہلکی مسکراہٹ نے اس منظر کو بڑا دلکش بنا دیا

---

۱) ترمذی، مناقب: ۵۴، ابن ماجہ، زھد: ۴.



Marfat.com

تھا۔ بلا شبہ یہ دنیا سے الوداع ہونے کا منظر تھا مسلمانوں کی فتح کا منظر تھا۔ جس کی خوشی شہید کے ہونٹوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اور اب یہ شیر خدا براء بن مالک زخموں سے چور اپنی دعا کے دوسرے حصے کی قبولیت کا منتظر تھا یعنی ''رسول اللہ ﷺ سے ملنا'' اور پھر آپ کی ملاقات اس رسول ﷺ سے ہوگئی جس سے وہ اپنی ذات سے زیادہ محبت کرتے تھے۔

## ۵۔ جہاد دنیا پر حکمرانی کا ذریعہ

مومن کے ہاتھ میں ایسا دستور دے دیا گیا ہے جس کے آگے سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے اور یہ دستور اسے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ یہی عزت وشرف اور سرداری کا سرچشمہ ہے۔ اس کے علاوہ مومن کے پاس بہترین نمونہ زندگی سید المرسلین ﷺ کی سیرت کی صورت میں موجود ہے۔ مومن اس دستوری کتاب اور رسول کریم کی وجہ سے پوری سرزمین میں وہ واحد ذات ہے جس کو بہت بڑی خیر مل گئی ہے اور مومن ہی اس سرزمین پر حکمرانی کا سب سے پہلا امیدوار ہے۔ قرآن کریم خود مومن کو یہ سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس نتیجہ کا منتظر ہے۔

مسلمان ہمیشہ کہتا ہے'' اللہ میرا رب ہے، محمد ﷺ میرا رسول ہے، قرآن میری کتاب ہے، جہاد فی سبیل اللہ میری سب سے بڑی خواہش ہے۔'' اس عبارت کو بار بار دہرانے سے مومن کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مجھے چاہیے کہ امت مسلمہ کے ذریعہ اس دنیا میں ایک توازن اور اعتدال پیدا کروں۔ اگر دنیا کی قوموں کے فیصلے کرتے ہوئے میری بات نہ سنی گئی تو اس دنیا میں بد ترین مظالم ہوں گے۔ عزت داروں کو ذلیل کیا جائے گا۔ کمینوں کو عزت دار بنایا جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ فیصلہ میری طرف سے صادر ہو اور میں عنصر توازن بن سکوں۔ دیگر اقوام کو چاہیے کہ اپنی کانفرسوں میں میری انگلی کے اشارے کا انتظار کریں، میری بات کو ادھر ادھر سے آنیوالی باتوں پر ترجیح دی جائے۔

کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے میری رائے ضرور لی جائے۔ اگر مومن کی سوچ میں یہ فکر اور شعور پیدا ہو جائے تو استعماری طاقتیں ناکام ہو جائیں اور کوئی مسلمانوں کے خلاف پابندیوں کا سوچ



Marfat.com

بھی نہ سکے۔اللہ تعالیٰ درج ذیل آیت کریمہ میں مومن سے اسی بات کا تقاضا کرتا ہے:

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ . (الانبیاء:۱۰۵)

''اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔''

ذکر سے مراد نصیحت ہے لیکن یہاں ذکر بمعنی تورات یا لوحِ محفوظ ہے۔اس معنی کی مناسبت سے اس آیت کی تشریح اس طرح ہوگی: اللہ نے لوح محفوظ میں جو لکھا تھا اس کے بعد لوح محفوظ سے انبیاء پر بھیجی جانے والی کتابوں میں یہی لکھا کہ اللہ کے نیک بندے ہی زمین کے حقیقی وارث ہیں۔اور وہی ہمیشہ اس زمین پر وراثت کا حق رکھتے ہیں جبکہ دیگر لوگوں کی حکمرانی تو محض عارضی اور جز وقتی ہے۔دائمی حکومت کی تجدید مسلسل ہوتی رہتی ہے اور یہی صالحین کی حاکمیت ہے۔جو صالح لوگوں، نیک معاشروں اور بہتر افراد سے تشکیل پاتی ہے۔لوح محفوظ میں یہ قانون لکھ دیا گیا پھر وہاں سے زبور میں نقل ہوا۔یعنی اس زبور میں جو داؤدؑ پر نازل ہوئی اور وہ تحریف شدہ نہیں تھی۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے نظام رائج ہیں جو اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔کبھی فرعون کی حکومت ہوتی ہے کبھی جابر بادشاہوں کی، لیکن یہ حکومتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔

لوح محفوظ یا تورات و زبور میں موجود قانون کی مخالفت اس سے بالکل نہیں ہوتی کیونکہ آسمانی کتابوں میں موجود وراثت دائمی اور مسلسل ہے۔یہ حکومت طویل مدت کے لیے مومنین کی میراث ہے۔جہاں تک غیر اسلامی حکومتوں اور طاغوتی حکمرانوں کا ظہور ہے تو یہ وقفہ وقفہ سے ہوتا رہتا ہے۔اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سوئے ہوئے مسلمان کو جگایا جائے اور انہیں یاد دہانی کروائی جائے تاکہ وہ تفرقہ بازی ختم کر کے آپس میں شیر و شکر ہو جائیں۔قرآن و زبور میں موجود قانون الٰہی تو اللہ نے بنایا ہے۔اس میں تبدیلی کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔



Marfat.com

زمین میں حکمران نامزد کرنے اور بنانے والے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے زمانے کے بہترین اخلاق کے مالک ہوتے ہیں۔ یہاں اخلاق سے مراد یہ نہیں کہ ایسے لوگ ہوں کہ جو دن میں چار پانچ مرتبہ مسجد آئیں جائیں وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں وہ صفات و خصوصیات ہوں جو نبی اکرم ﷺ کے اندر تھیں۔ اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہوں۔ نبوی اخلاق سے انسان کے اندر اشیاء حوادث کو پہنچاننے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ انسان اور کائنات کے تعلق کو سمجھ سکتا ہے۔ اور پھر انہی اخلاق فاضلہ میں انفس و آفاق میں اعتدال و توازن کی ضمانت بھی ہے۔ یعنی یہ کہ زمین کی تہہ پر موجود صالح انسان ہی دائمی زندگی کا ادراک کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حاکمیت یا حکمرانی کا یہ وسیع مفہوم وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو دنیا میں انارکی وانتہا پسندی کو رواج دے رہے ہیں۔ اور ایک کے بعد دوسرا جرم ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ امت کے سادہ لوح انسانوں اور خاص طور پر نوجوانوں کو غلط راہ پر لگاتے ہیں۔ رائے عامہ کو اپنے حق میں لانے کے لیے سیاسی مسائل، سیاسی نعرہ بازی اور شدت پسندی پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کے اذہان اور قلوب کے ساتھ کھیلتے ہوئے مشاورت کی صفت سے انہیں بہت دور لے جاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اللہ کو مطلوب حکمرانی قائم نہیں کر سکتے۔ اور جب اسلام کا حقیقی سورج طلوع ہو گا تو یہ لوگ اپنی غفلت سے بیدار ہوں گے۔ اور اپنے کیے پر خود ہی نادم ہوں گے کہ ہم کونسی شیطانی چال میں پھنس چکے تھے۔ تب ان کو اپنی غلطی کا پتہ چلے گا۔

جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے باعزت پیدا کیا ہے ایک نہ ایک دن سیدھا راستہ پالے گا۔ اگر یہ بات درست نہیں ہے تو نعوذ باللہ قانون خداوندی غلط ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ قانون خداوندی تبدیل نہیں ہوتا۔

"لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ." (الروم: ۳۰)

"اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔"



Marfat.com

ہاں یہ بات درست ہے کہ اللہ کا ایک اور قانون بھی ہے وہ یہ کہ

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" (الرعد:۱۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنی حالت بدل لے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کسی باعزت قوم کو جس کے سر پر تاج ہو کبھی ذلت و رسوائی میں نہیں ڈالتا۔ ہاں اگر قوم نے خود اپنے آپ کو ذلت میں ڈال دیا تو یہ اس کا قصور ہے۔ یہ قانون الٰہی مثبت اور منفی دونوں صورتوں میں نافذ ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو درست کرنا اپنے نفس کی حفاظت اور اس کو پہچاننا اور اپنے باطن کو درست کرنا ضروری ہے۔ یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اسے فاتح کہا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ پہلے اپنے نفس کے قلعہ کو فتح کرے اور جو اپنے نفس کے قلعہ کو فتح کرنے سے قاصر ہو اس کے لیے بیرونی قلعہ فتح کرنا ممکن نہیں ہے۔

روس کے ایک جنونی متعصب مفکر نے اہل روس کے لیے ایک مثالی منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبہ کو آنے والے سربراہان نے بڑی اہمیت بھی دی۔ اسکی اس منصوبہ بندی کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

بلقان کی حدود سے بھی آگے نکل جاؤ، عثمانیوں کی پیش قدمی کو روک دو اور ان کے راستے کاٹ دو۔ ان کی صفوں میں تفرقہ، فتنہ اور دشمنی ڈال دو۔ گرم پانیوں تک پہنچو، افریقہ اور خلیج بصرہ کے ممالک پر قبضہ کرلو۔ عالم اسلام میں یورپ کو گھسنے کا موقع نہ دو کہ وہ وہاں سے تمہارے خلاف کارروائی کرسکیں۔ بات چیت میں بھی ان کو اس طرف نہ آنے دو۔

اس وصیت پر مسلسل عمل ہو رہا ہے بلکہ دور حاضر میں روس نے اس وصیت پر زیادہ سختی سے عمل شروع کردیا ہے۔ کیمونسٹوں اور اشتراکیوں نے اپنی حکومت کا مقصد ہی اسی منصوبہ کو قرار دے دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مومنین کو وصیت کی تھی کہ دین اسلام کی دعوت کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دو۔ یہی سب سے بڑا ہدف ہے تاکہ انسان کی ساری زندگی میں اسلام کی سیادت قائم ہوسکے۔ اس عظیم امانت کی پاسداری کرنا، خود بھی اس پر عمل کرنا اور دنیا میں اس دعوت کو عام کرنا، ہمارے اوپر



Marfat.com

قرض ہے۔ ہمیں اس قرض کی ادائیگی کرنا ہے۔

اس لیے مومن تو اپنے ہی مقصد کے لیے زندگی گزارتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد دعوت دین ہے۔ اس دعوت کو پہنچانے کے لیے وہ گرم سمندروں تک بھی جاتا ہے اور سرد سمندروں تک بھی۔ اپنی دینی قوت وحمیت اور اسلام کی حاکمیت کے لیے دنیا کے گوشے گوشے میں جاتا ہے چاہے اسے سائبیریا کے جمے ہوئے سمندروں میں جانا پڑے یا جنوبی امریکہ کے غیر معروف علاقوں میں یا شمالی امریکہ کے صحراؤں میں۔ اس دین کے غلبہ اور پھیلاؤ کے لیے اس کو حرکت میں رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ مسلمان کافروں کی غلامی میں زندگی بسر کریں۔

"وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا." (النساء:۱۴۱)

"اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے مومنوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔"

اگر مسلمان کافروں کے غلبہ میں بخوشی زندگی گزارتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام اور ایمان کی روح اس کے اندر سے نکل گئی ہے۔ اس طرح تو زندہ رہنے کا حق ہی نہیں رہتا۔ یعنی ذلت، اہانت، بدبختی اور پستی کی زندگی گزارے گا۔ پھر آخرت میں بھی رسوائی اور ذلت کا سامنا کرے گا۔ مومن کے شعور میں یہ بات راسخ ہونی چاہیے اور اسے ہمیشہ کوشش کرنی چاہیے کہ پوری دنیا پر اس کی حکمرانی قائم ہو۔

ایک زمانہ تھا کہ ہم پوری دنیا پر حکمرانی کرتے تھے۔ اس لیے اگر ماضی میں ایسا ہوا تو مستقبل میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم پیہم و مسلسل جدوجہد کریں اور پوری طاقت مجتمع کر کے اس کام پر لگا دیں۔ کم از کم باہمت اور دلیر لوگوں کو اس کام پر ابھاریں تاکہ حکمرانی کا منصب حاصل کرنے کے لیے ضروری اہداف طے کر لیں۔

## ا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے لوگوں کی حکمرانی

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حاکمیت کا ہدف حاصل کر لیا تھا اور بنی اسرائیل میں سے جو لوگ



Marfat.com

ان پر ایمان لائے تھے انہیں فرعون سے بچا لیا تھا۔آپؑ خود ان کی تعلیم و تربیت کرتے رہے لیکن حکومت حاصل کرنے کے باوجود وہ طبقہ حکمرانی کا اہل ثابت نہ ہوا کیونکہ ان کی آنکھیں تھیں مگر دیکھتے نہ تھے۔ انکے کان تھے مگر قوت سماعت سے خالی تھے حالانکہ رسول اللہ موسیٰ علیہ السلام وہ عظیم پیغمبر تھے جنہوں نے طور سینا میں خود اپنے رب کی تجلیات کا مظاہرہ دیکھا۔قرآن کریم اس نا اہل طبقہ پر یوں تبصرہ کرتا ہے۔

"قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ." (المائدہ:۲۴)

لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ: "اے موسیٰؑ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔بس تم اور تمہارا رب، دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔"

اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اولوالعزم رسول کو اسکی قوم کس انداز میں مخاطب کر رہی ہے۔بنی اسرائیل نے تو اسی زمین پر پرورش پائی اور وہیں پروان چڑھے جس پر حکومت کا ان سے وعدہ بھی کیا گیا لیکن جب عین حکومت کا وقت آیا تو انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی، کسی قربانی کے لئے تیار نہ ہوئے۔اگر جہاد کرتے تو ان کو ہدف حاصل ہو جاتا لیکن وہ زمین سے چمٹے رہے۔آرام و سکوں کو ترجیح دی۔وہ تو اپنے گھروں سے باہر نکلنے تک کا ارادہ نہ رکھتے تھے۔ہر قسم کے جہاد اور جدوجہد سے دور بھاگتے تھے، پیسہ نکالنا انکے لیے ناممکن تھا۔نہ تو جان سے جہاد کرتے تھے نہ مال سے۔اس حال میں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی نا اہلی کی وجہ سے اپنے رب جلیل کے سامنے عاجزی بھرے انداز میں التماس کیا کرتے تھے۔

"قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ." (المائدہ:۲۵)

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "اے میرے رب، میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی ذات یا میرا بھائی، پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے



Marfat.com

الگ کر دے۔"

گویا وہ کہہ رہے ہیں میں تنگ آ گیا ہوں، مایوس ہو گیا ہوں، یہ لوگ مردہ دل ہیں ان میں جہاد نام کی کوئی چیز نہیں، یہ تو آرام کرنے اور گھر بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ عزت اور غیرت نام کی کوئی چیز ان میں نہیں۔ اے اللہ میں تیری ہی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں۔ ہمارے اور ان فاسقوں کے درمیان دوری پیدا کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحرائے تیہ میں ڈال دیا۔ جہاں وہ چالیس برس تک ذلت وخواری میں پڑے رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی جو نبی آئے ان کے ساتھ بھی بنی اسرائیل نے ایسے ہی کیا۔ مثلاً یوشع بن نون اور داوٗدؑ کے ساتھ بھی حالات ایسے ہی رہے۔

داوٗد علیہ السلام طالوت کی فوج میں جالوت کے ساتھ جنگ میں بطور سپاہی شریک تھے۔ ان کا جالوت سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے جالوت کو میدانِ جنگ میں قتل کر دیا۔ اس طرح کے مثبت نتائج کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ طالوت کی فوج کے بہت بڑے حصے نے میدان جنگ میں جانے کی بجائے پسپائی اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت اس طرح بیان کی ہے:

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۔ (البقرہ:۲۴۹)

"کہنے لگے آج ہم جالوت اور اسکی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

بہت کم تعداد ایسے ایمان والوں کی تھی جو حق پر ڈٹے ہوئے کہہ رہے تھے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔

(البقرہ:۲۴۹)

"بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔"

قلیل گروہ زندگی کی عارضی لذتوں کو حقیر جانتے ہوئے موت کی طرف بڑھے تو اللہ تعالیٰ نے



Marfat.com

ان کے دعویٰ کو سچ کر دکھایا۔ اور جالوت کے گروہ کو شکست سے دوچار کر دیا۔ عمالقہ کو انہوں نے پیچھے دھکیل دیا اور بنی اسرائیل کی بیت المقدس میں داخل ہونے کی تمنا پوری ہوئی۔

## ب۔ امت محمدی میں زمین پر حکمرانی کا مفہوم اور اس کا حدود اربعہ

اگر ہم سیرت مصطفیٰ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اندر اس ہدف کو حاصل کرنے کی تڑپ پیدا کر دی تھی اور وہ ہدف اور مقصد حاکمیت الٰہی تھا۔ اس کی مثالیں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اس کے ذریعے انسان کی ذاتی زندگی دینی زندگی سے پہلے تربیت پاتی ہے اور پورا معاشرہ ایک رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہدف کے لئے عمل کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام کے سامنے ساری دنیا کے دروازے کھول دیے اور عزت وغلبہ عطا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کا پیغام رسالت ہی یہی ہے اور اللہ نے آپ ﷺ کو قرآن دے کر اسی لیے بھیجا تاکہ اس نظام زندگی کو تمام نظاموں پر غالب کر دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔ (الفتح:۲۸)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے۔ اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح مکہ کا وعدہ کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور مکہ فتح ہو گیا۔ اسی طرح اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے ساری دنیا کو زیر کر دے گا لیکن جب اس کا وقت آئے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اس دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ دلوں پر اسلام کی حکومت ہوگی۔ اللہ کا کلمہ سر بلند ہوگا۔ یہ نظام پوری انسانیت کو امن سکون اور استحکام سے بھر دے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ دین دے کر بھیجا ہے۔ اس کے نور سے پوری دنیا روشن ہوگی۔ اور اس کی ہدایت سے تمام خرابیوں کی اصلاح ہوگی۔ ایک شاعر یحییٰ کمال اس احساس کو



Marfat.com

ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

**الاجل لم یمهل السلطان العظیم**

''موت نے سلطان عظیم کو مہلت نہ دی۔''

**لکان فتح العالم للمجدو الشان المحمدی**

''ورنہ وہ دنیا میں عزت اور شان محمدی کے دروازے کھول دیتا۔''

**تغرق الارض فی انوار ألوف المنائر**

''زمین ہزاروں میناروں کی روشنیوں میں ڈوب جاتی۔''

**کلما فتح جناحاہ بالروح و الریحان المحمدی**

''جب بھی روحِ محمدی کی حسین مہک سے اس کے پر کھلتے۔''

اب وہ شخص جو اپنے اندر اس شوق و جہد کی آگ بھڑکا لے اس کی زندگی کا اہم مقصد اور اصل ہدف بھی جہاد فی سبیل اللہ بن جائے گا۔ بلکہ وہ اللہ کے راستے میں موت کو ایک عظیم نعمت تصور کرے گا۔ یعنی اگر فنا نہ ہو تو بقا بھی نہیں ہے کیونکہ بقا کی جانب جانے والا راستہ فنا سے ہی گزرتا ہے۔ رات کے بعد دن اور سرما کے بعد بہار آتی ہے۔ جس کی زندگی میں رات اور سرما نہ ہو اس کے لئے دن اور بہار کا آنا بھی محال ہے۔

ہم اس انتظار میں ہیں کہ ہماری امت کے لیے بھی دن کی روشنی پھوٹے۔ تم راتوں کو قیام کرو مشکل حالات سے مقابلے کی تیاری کرو۔ خون کے دریا کو عبور کرو۔ اپنی پشت پر احد پہاڑ جیسا (ترکی کا یک قصبہ) دفاعی حصار قائم کرو۔ پھر تمہیں فتح مکہ کی طرح اور چالدران (ترکی کا ایک قصبہ) کی فتح کی نوید بھی سنائی دے گی۔ گھمبیر سرما کی سیاہ راتیں ختم ہوں گی۔ ہزاروں قسم کی تکالیف برداشت کرنے اور ہزاروں زخم سہہ جانے کے بعد ظلم کی سیاہ رات ختم ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی خوشی تکلیف کے بعد ہی آتی ہے۔ جسے بچہ حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے دردزہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے جو بچوں کے لیے دل میں محبت اور کشش



Marfat.com

رکھتے ہیں دردزہ جیسی سخت تکلیف کو بخوشی برداشت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دین کی سربلندی کا وعدہ فرمایا ہے۔اس دین پر چلنے والے بالآخر غالب آئیں گے۔شرط یہ ہے کہ انہوں نے دین پر مکمل عمل کیا ہو۔اللہ کا دین غالب آکر رہے گا۔اگر اس ملک میں نہ آیا تو کسی دوسرے ملک میں اللہ تعالیٰ اسے غالب کرے گا۔اس لیے کہ اللہ کا وعدہ پکا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ پورے عزم واستقامت اور اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے جہاد کریں اور اس دنیا کو فتنوں اور فسادوں سے پاک کردیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ." (البقرہ:۱۹۳)

"اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہوجائے۔"

یعنی اس وقت تک جہاد وقتال کرتے رہو جب تک کہ زمین سے فتنہ وفساد، مشکلات ومسائل اور بدامنی ختم نہ ہوجائے۔اور انسان دنیوی واُخروی سکون وخوش بختی حاصل نہ کرلے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک فتنہ ختم نہیں ہوگا جب تک کہ ساری دنیا میں اسلام اور سلامتی قائم نہ ہوجائے اور بنی نوع انسان پرسکون زندگی نہ گزارنے لگ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے دلوں میں یہ نورانی احساس پیدا کردیا تھا۔ہم ذرا اس سر زمین پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جو رسول اللہ اور صحابہ کرام کی نورانی مشعلوں سے روشن ہوئی تھی۔

خلافت عثمانی کو ابھی پانچ برس نہ گزرے تھے کہ مسلمان شمالی افریقہ کے اکثر علاقے پر اسلامی علم لہراچکے تھے۔ادھر اسلامی لشکروں نے بحرِ خزر اور طبرستان تک فتح کرلیا تھا۔اس کے علاوہ ماوراء النہر یعنی دیوار چین تک کا علاقہ اسلامی خلافت میں داخل ہوچکا تھا۔

یعنی اتنے کم عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ہمارے ترکی جیسے پچاس ممالک کے برابر سرزمین کا مالک بنادیا تھا۔



Marfat.com

اگر تم لوگ بھی صحابہ کی طرح موت کو ہنس کر گلے سے لگانے کا جذبہ پیدا کرو، اس فانی دنیا کے پیچھے نہ پڑو، اس کو حقیر سمجھو، اپنی راحت و آرام کو دینی خدمت پر قربان کرو، زندگی اسی کو سمجھو جسے دین زندگی سمجھتا ہے اور ہر شخص تہیہ کر لے کہ جب تک اسلام غالب نہیں آجاتا اس وقت تک میں جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس راستے میں موت کو ترجیح دوں گا بجائے اس کے کہ میں زندہ رہوں اور دین کی حفاظت نہ کروں، تب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بھی اسی طرح فضل کرے گا اور تمہیں بھی اپنی زمین کا مالک اور حکمران بنائے گا۔

جو گروہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں پر اسلامی پرچم لہرانے کا بیڑا اٹھاتا ہے اور ہر مشکل گھڑی میں اس کی خاطر صبر کرتا ہے، اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام غالب کرنے کی سعی کرتا ہے، ایک روز وہ آسمان پر بھی پرچم الٰہی لہرانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور کرم کی بارش کرے گا اور اللہ اسے جہانوں کی حکمرانی نصیب کرے گا۔ ان پاکیزہ روحوں کو تیار کرنے سے ہی دنیا میں اسلام کی حاکمیت قائم ہوگی۔



Marfat.com

# چوتھی فصل

## جہاد کے فوائد اور ماحصل



Marfat.com

Marfat.com

## ا۔ جہاد، داخلی اور خارجی امن وسلامتی کی ضمانت

ہر قوم کے پاس کسی قدر طاقت ہوتی ہے۔ اگر وہ قوم اپنی طاقت وقوت کو بیرونی دشمنوں کے خلاف اور زمین پر حاکمیت کے لیے بطریق احسن استعمال نہ کرے تو اندرون ملک شورش بدامنی اور دشمنی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر خونِ آدمی ارزاں ہو جاتا ہے۔ ہر روز لاشے اٹھتے ہیں، گلیاں جنازوں سے بھری رہتی ہیں۔ اس طرح کی قوموں کے مرد ختم ہو جاتے ہیں۔ بیوائیں اور یتیم ہی بچتے ہیں یا پھر ایسی عورتیں جو اپنے شوہروں اور بچوں کا ماتم ہی کر رہی ہوتی ہیں۔ کسی کو علاقے میں امن نصیب نہیں ہوتا۔ شورش اور انتشار کی وجہ سے کسی کی عزت محفوظ نہیں ہوتی۔

ایسی قوم جس کے مقدر میں دنیا کی حکمرانی ہوتی ہے یا کم از کم دنیا میں اعتدال قائم کرنے کے لئے جس کو کردار ادا کرنا ہوتا ہے اس کے ہاں اندرونی فتنہ وفساد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر بیرونی دشمنوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے پر اتفاق ہو تو اندرونی مخالفتیں دم توڑ جاتی ہیں اور محبتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یعنی اندرونی خلفشار اور داخلی دشمنی کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک اچھا ذریعہ ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہماری زندگی کا اصل مقصد اور بنیادی ہدف محض زمین پر حکمرانی برائے حکمرانی نہیں ہے اور نہ ہی اندرون ملک امن امان کا قیام ہے بلکہ یہ تو اصل اور بنیادی مقصد کے ذرائع ہیں، جبکہ بنیادی مقصد یہ ہے کہ ساری کی ساری دنیا میں اللہ کا دین سر بلند کیا جائے اور اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہم بحیثیت امت مضبوط تر ہوں فروعی کے اختلافات کو ختم کر دیں اور حق کے راستے کی رکاوٹیں توڑ دیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مسلمان کی حیثیت



Marfat.com

سے ہم اس لیے طاقتور ہونا چاہتے ہیں کہ اس طاقت کو اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے استعمال کریں۔ مسلمان کے دل میں یہ بات کبھی نہیں آنی چاہیے کہ وہ طاقت اس لیے جمع کرے گا تاکہ غلبہ، قوت، حکومت اور جبر کر کے اپنی بات دوسروں پر ٹھونسے۔

جو قومیں ذلت، پستی اور انحطاط میں گھری ہوں وہ کبھی اعلیٰ مقاصد حاصل نہیں کر سکتیں۔ ان مقاصد کو دوسروں تک منتقل کرنا تو دور کی بات ہے۔ اگر خود قوم کمزور اور ذلیل ہو تو دوسرے ان کی بات کو قبول ہی کیسے کریں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا لوہا منوائیں اور اپنی امت کو دوسروں کے سامنے اعلیٰ اور طاقتور ثابت کریں۔ اس لیے ہماری فوج کو جدید ترین اسلحہ سے لیس ہونا چاہیے۔ ہمارے تعلیمی اور تربیتی نظام میں اتنی طاقت ہونی چاہیے کہ نت نئی ایجادات کر سکیں۔ ہماری سیکورٹی فورسز اور پولیس میں اتنا رعب ہونا چاہیے کہ ساری دنیا کے ظالم اور دہشت گرد اس سے ڈرتے رہیں اور دنیا کے دیگر علاقوں کے حکمران اپنی اندرونی مشکلات اور انتہا پسندی کے خاتمہ کے لیے ہم سے مدد مانگیں۔ ہماری معاشی حالت اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ ہم ضرورت سے زیادہ اشیاء دوسرے ممالک کو بھیجیں۔ تب ہم عظیم مقصد کے حصول کے اہل ہوں گے اور زمین پر حکمرانی کی شرط پوری کر سکیں گے۔ یہ حکمرانی جہاد کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی۔

دنیا میں کسی بھی جگہ ظلم ہو رہا ہو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ازالہ کی کوشش کرے۔ کیونکہ مومن ہی دنیا میں توازن واعتدال قائم کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے قریب ترین علاقے سے جہاں وہ رہتا ہے جہاد شروع کرتا ہے اور پھر بتدریج اس دائرہ کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ساری دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے حوصلے بلند رکھے، بہترین وسائل سے فائدہ اٹھائے اور عمدہ منصوبہ بندی کرے۔

مومن تو مخلوق پر رحیم وکریم ہوتا ہے اسی لیے کسی پر ظلم ہوتا دیکھ کر وہ بے چین ہو جاتا ہے اور اسے ظلم سے چھٹکارا دلانے کے لیے کوشش شروع کر دیتا ہے۔ اس کی خاطر ہر قسم کی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ مومن بڑا بردبار ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ظلم کے بزور خاتمہ کے



Marfat.com

لیے دہشت گردی اور بدامنی کے خلاف وہ ایک خوفناک شیر کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔اس کے خاتمہ کے لیے ضرورت پڑنے پر جان تک دے دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ مومن کی اس صفت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۔" (المائدہ:۵۴)

"کافروں کے لیے انتہائی سخت ہیں۔"

جب ضرورت پڑتی ہے تو مومن اپنی عزت وشرف کی حفاظت کے لئے مادی جہاد بھی کرتا ہے۔ملک کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے خود بھی کھڑا ہوتا ہے،اپنے اہل خانہ کو بھی اور تمام گھر والوں، بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں سمیت ملک اور وطن کو ہر قسم کے فتنوں اور یورشوں سے پاک کرنے کے لیے میدان میں کود پڑتا ہے۔

مومن اپنی ایمانی فراست کی وجہ سے خوب جانتا ہے کہ اگر آج ایسی دہشت گردی کو پھیلنے کا موقع دے دیا گیا جو انسانیت کی قیمت نہیں جانتی تو کل یہ ایک زہریلے سانپ کی طرح سارے جہاں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔اس طرح زوال وانحطاط اور ظلم کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کا بند ہونا ممکن نہیں رہے گا اور دہشت گرد مطالبات پر مطالبات منوانا شروع کر دیں گے۔

اگر کسی دہشت گرد یا ظالم کا ایک مطالبہ قبول کر لیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خاموش ہو جائے گا بلکہ مطالبات کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔وہ کئی چیزوں سے دست بردار ہونے پر مجبور کریں گے۔دہشت گرد ہمیں آئے روز مجبور کر سکتے ہیں کہ ہر چیز چھوڑ دو۔یہ کام چھوڑ دو، یہ فیصلہ منسوخ کر دو اور ہم دستبردار ہوتے رہے تو ایک روز ایسا بھی آ سکتا ہے کہ وہ مطالبہ کر دیں کہ اپنی عزت وغیرت سے بھی دستبردار ہو جایئے ،اپنے وطن سے دستبردار ہو جایئے، اپنے مقدس مقامات سے دستبردار ہو جائے۔پھر یہ بات چیت تکلیف دہ ہو گی۔اس منظر نامے سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلی سطح پر ہی دہشت گردوں کی بات نہ مانی جائے۔مومن کو چاہیے کہ انتہائی عرق ریزی سے گہری سوچ وفکر سے آغاز ہی میں فیصلہ کر لے کہ دہشت گردوں کا کوئی مطالبہ نہیں ماننا اور اس فیصلہ پر مکمل



Marfat.com

طور پر ڈٹ جائے۔

اگر دہشت پسند ہڑتال کا اعلان کردیں اور زبردستی دوکانیں بند کرائیں تو مومن کو چاہیے کہ اپنی دکان کھول دے۔ اگرچہ دکان بند کرنے ہی میں بچنے کی ضمانت ہے لیکن اگر وہ دکان کھولے گا تو گویا اس نے بڑا جہاد کیا اور ظلم کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ ظالم کے منہ پر تھوکا اور اگر وہ زبردستی دوکان بند کرائیں اور دکاندار مزاحمت کرے تو گویا اس نے شہادت کا دروازہ اپنے لیے کھول لیا۔ اگر اس طرح مارا بھی جائے گا تو شہید ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ"

"جو شخص اپنے مال کے دفاع میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔" (۱)

اگر دہشت گرد تمہارے گھر کے دروازے پر کچھ مانگنے آئیں تو چاہے وہ انتہائی حقیر چیز ہی مانگیں انہیں مت دو۔ اگر آج تم نے انہیں کچھ دے دیا تو آپ نے خود دروازہ کھول دیا اور کل پھر وہ تمہارے دروازے پر آئیں گے اور یہ آمدورفت ختم نہ ہوگی یہاں تک کے تم سے سب کچھ لے جائیں گے۔ پھر تم اس قدر تنگ ہوگے اور سوچو گے کاش پہلی بار ہی میں ان دہشت پسندوں کو کچھ نہ دیتا اور تم چاہو گے کہ اس زندگی سے مر جانا ہی بہتر ہے۔ اس ذلت و مسکنت سے نکلنے کا واحد رستہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ذلت سے بچاؤ اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرو۔ بلکہ ایسی زندگی پر ایسی موت کو ترجیح دو جو شہادت کے اعلیٰ درجے پر فائز کرے۔ دنیا کی اس چند روزہ زندگی سے شہادت تمہیں نکال کر آخرت کی ہمیشہ رہنے والی سعادت مندی کی زندگی عطا کرے گی۔

آج جو بھی انارکی، لاقانونیت، طوائف الملوکی اور دہشت گردی ہمارے ملک میں ہے یہ دراصل باہر سے دشمن کی پھیلائی ہوئی ہے۔ سامراجی قوتیں چاہتی ہیں کہ اس جنت نظیر ملک کو جہنم بنا دیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ لاقانونیت اور دہشت پسند اختلافات اور بدامنی کے بیج بو کر ملک کو نوآبادی میں تبدیل کر دیا جائے لیکن یہ تبدیل کرنا اتنا آسان نہیں البتہ بیرونی طاقتیں یہی چاہتی

۱) بخاری، المظالم: ۳۳، مسلم، الایمان: ۲۲۶.



Marfat.com

ہیں۔ وہ تو چاہتی ہیں کہ اس ملک پر قبضہ کیا جائے۔ نو آبادی بنا کر اس کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا جائے اور جو دہشت پسند بدنظمی پھیلا رہے ہیں، یہ سب انہیں سامراجی قوتوں کے ایجنٹ ہیں (یہاں دہشت گرد سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جنہیں امریکہ، مغربی طاقتیں اور مغربی میڈیا دہشت گرد کہتا ہے۔)

اللہ کے حکم سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور ان کی بری چال خود ان کو لے ڈوبے گی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دہشت گردوں اور بدنظمی پھیلانے والوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی صورت میں ہم اپنے ہدف سے بہت دور ہوتے جارہے ہیں۔

سامراجی قوتیں بھی تو یہی چاہتی ہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ ایسے دن نہ آجائیں کہ جب مسلمانوں کی قوت وشوکت ایک بار پھر لوٹ آئے۔ جب ایسا ہوگا تو دہشت گرد ایسے بھاگیں گے جیسے جنگلی گدھے شیروں سے بھاگتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ (سورۃ المدثر: ۵۰۔۵۱)

ایک اور بات انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان کو اگر جہاد کرنے یا بدامنی کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہو تو ملکی فوج کے ساتھ مل کر یہ کام کرے۔ کسی بھی ظلم اور بیرونی یا اندرونی یورش کا خاتمہ کرنے کے لیے اسے ملکی سکیورٹی فورسز کے ساتھ مل کر کوشش کرنا چاہیے۔ یہ اس پر واجب ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے اور حکومت کو چاہیے کہ اس کو بھرتی کرے اور اس سے کام لے۔ یہ کام حکومت کے کام میں اس کی مدد شمار ہوگا۔ اگر کوئی حکومتی سطح سے ہٹ کر از خود یہ کام کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک انارکی کو مٹانے کے لیے دوسری انارکی پیدا کرلی۔ مومنین کو ایسی نازک صورت حال کا ادراک کرنا چاہیے۔ دہشت پسندی اور لاقانونیت کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کو جڑوں سے ختم کرنا ہے۔

بعض اوقات خود حکومتیں اور ملک بدامنی اور دہشت گردی کا سبب بنتے ہیں اور دیگر ممالک میں انارکی پھیلاتے ہیں۔ جیسے امریکہ، روس اور چین بیرونی دنیا کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس طرح



Marfat.com

کے حالات میں مومن کو چاہیے کہ حتی المقدور کوشش کرے اور ہر قسم کی ممکنہ طاقت جمع کرے اور اس بیرونی دہشت گردی اور شدت پسندی کا مقابلہ کرے۔ جب ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اب ملک دشمنوں کے ہاتھوں میں جا چکا ہے۔ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور بہادری و شجاعت کی بے مثال داستانیں رقم کرے۔ اللہ کرے ہمارے شہر، ہمارے ملک اور ہمارے گھر اس قسم کی آفات سے محفوظ رہیں۔ اگر اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو پھر اس ماحول سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ڈھونڈنا چاہیے بلکہ استعمار کو باہر نکالنے کے لیے ذلت کی زندگی کی بجائے عزت کی موت کو ترجیح دینی چاہیے۔ موت سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاکہ بیرونی طاقتوں اور دہشت گرد ممالک کو پتہ چل جائے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ جہاد سے فرار اور اپنے وطن کو دشمنوں کے ہاتھوں میں دے کر بھاگ جانا انتہائی ذلت واہانت اور گھٹیا فعل ہے۔ مومن تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مومن ذلت و پستی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔ قرآن کریم مومنوں کو عزت و تکریم کا راستہ دکھاتا ہے اور اگر کمزوری و مسکنت اس قدر بڑھ جائے کہ ظلم و ستم برداشت سے باہر ہو جائے اور مقابلہ کی سکت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود دعا سکھاتا ہے۔ فرمایا۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا .

(النساء:۷۵)

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔"



Marfat.com

اس دعا میں سکھایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہو جائے کہ زندگی گزارنا مشکل ہو تو وہاں سے نکل جانے کی دعا بھی کرنی چاہیے اور ہجرت بھی کر لینی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وطن سے ہی دستبرداری کر لی جائے بلکہ وطن پھر بھی مسلمانوں کا ہے۔ گھر مسلمانوں کے ہیں مال و اسباب مسلمانوں کا ہے دشمنوں کا نہیں۔ سب کچھ کے باوجود اس لیے ضروری ہے کہ ذلت و پستی کی زندگی گزارنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔ حالات ایسے ہیں کہ کم تر انسانی حقوق سے بھی مسلمان محروم ہیں۔ ان کے تمام مال و اسباب اور تجارت پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ ان کے مقدس مقامات اور آزادی تک چھین لی گئی ہے۔ اِن حالات سے مسلمانوں کو نکالنا از حد ضروری ہے۔

اگر ایسا تکلیف دہ ماحول پیدا ہو جائے تو قرآن کریم ہمیں یہ سبق دیتا ہے"

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں لڑتے نہیں۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنین کو کس قدر جھنجھوڑ کر مخاطب کر رہا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اس قدر جذباتی اور سخت انداز ہے کہ مومن کے لئے فوری اٹھ کھڑے ہونے کے سوا چارہ نہیں۔

ہم نے حق کی قدر کرنے کا حق ادا نہیں کیا۔ ہم نے قرآن کا کما حقہ جواب نہیں دیا۔ ہم نے ساری دنیا میں پرچم الٰہی کو لہرانے کے لیے اپنی صلاحیتیں استعمال نہیں کیں۔ اس لیے ہمارے رشتے کاٹ دیے گئے۔ ہم تتر بتر ہو گئے۔ اور ہمارے حالات دگرگوں ہو گئے۔ ہمارے دشمن بھوکے کتوں کی طرح ہمارے اوپر جھپٹ رہے ہیں اور ہم ان سے بچتے پھر رہے ہیں اور وہ ایک ایک کر کے ہمیں نوچ رہے ہیں۔

میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ پورے عالم اسلام کا یہی حال ہے۔ گویا مسئلے کا کوئی حل ہی نہیں ہے۔ ہمیں اکیلا کر دیا گیا ہے۔ ہمارے دکھوں کا کوئی مداوا نہیں۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اگر مومن کو آگے پیچھے، دائیں بائیں سے ظلمت نے گھیر لیا ہے تو اسے چاہیے کے اپنے نور کو تلاش کرے اور چاروں طرف اس نور کو پھیلا دے اور اللہ اور اس کے رسول سے تعلق مضبوط کرے اور تمام عالم کو



Marfat.com

روشن کردے اور اپنے مخصوص علاقے کو بھی نور مومن سے منور کر دے۔

مومن کے لیے بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنی وہ کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔ جس قدر پسینہ بہائے گا اور برآمد ہونے والی یورش وشورش ہو یا ان تمام اسباب کی بنا پر مسلمانوں پر آزمائش اور مصیبت آ گئی ہو، ہر قسم کی بیماری کا علاج صرف اور صرف مادی و معنوی جہاد ہی میں مضمر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاد ہماری داخلی وخارجی سلامتی کا ضامن ہے۔ جہاں جہاد نہیں وہاں امن وسلامتی کی کوئی ضمانت نہیں۔

## ۲۔ جہاد ذلت وپستی کو روکنے کا ذریعہ

مومن داخلی وخارجی طور پر جہاد ہی کے ذریعے عزت وغلبہ حاصل کرتا ہے۔ اور جب اس واجب کو اہمیت دینا چھوڑ دیتا ہے اور دنیا کی عارضی اور فانی لذتوں میں کھو جاتا ہے، اپنی ذات کے خول میں بند ہو جاتا ہے تو اس کی عزت ورعب ختم ہو جاتا ہے اور ذلت وپستی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا دِينَكُمْ"

"اور اگر تم نے جہاد چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک یہ حالت ختم نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ۔"(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عزت کی زندگی گزارنے کے لیے مشقتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں اور اس کو جہاد کہتے ہیں۔ امت اس وقت عزت دار کہلانے کی مستحق ہوگی جب وہ دشمن کا مقابلہ کرے گی اور مشقتیں برداشت کرنے میں ثابت قدمی دکھائے گی۔ جب لوگ مجموعی طور پر جہاد کو ترک کر دیتے ہیں اور دنیا کی لذتوں میں کھو جاتے ہیں تو عذاب الٰہی پوری قوم کو گھیر لیتا ہے۔ ظالم، مظلوم، نیک و بدکار، سب لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ اس لیے پوری امت کو اجتماعی طور پر جہاد کا علم تھام لینا چاہیے تاکہ جو مسائل ومشکلات آن پڑی ہیں ان سے چھٹکارا ممکن ہو سکے۔

---

۱) ابو داؤد، البیوع: ۵۴، مسند احمد، ۲/۴۲۔



Marfat.com

یہاں میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرمایا:

"اِذَا تَبَایَعْتُمْ بِالْعِینَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِیتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَکْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ ذُلًّا لَا یَنْزِعُهُ حَتّٰی تَرْجِعُوا اِلٰی دِیْنِکُمْ"

"جب تم نے بیع عینہ شروع کردی (یعنی ایسی تجارت جس میں کوئی چیز وقت مقررہ کے لیے بیچ کر کم قیمت پر اس سے دوبارہ خریدنا شامل ہے) اور تم نے بیلوں کی دمیں پکڑ لیں اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے اور جہاد کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت و مسکنت مسلط کر دے گا جو اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ۔" (۱)

میں بیع عینہ کی دو طرح سے وضاحت کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ کسی سے کوئی چیز ادھار خرید لی جائے پھر وہ چیز اس سے کم قیمت پر اس شخص کو بطور نقد بیچ دی جائے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک شخص کو نقدی کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر اس کو براہ راست ادھار دے دیا جائے تو زیادہ واپس کرے گا تو سود کہلائے گا۔ اس لیے بیع عینہ کا حیلہ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ بظاہر سود نہ نظر آئے۔ اس کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ فرض کریں کہ آپ میں سے کسی کو آٹھ لاکھ روپے چاہئیں۔ وہ کسی شخص کے پاس جاتا ہے اور اس سے دس لاکھ کی کوئی چیز ادھار خرید لیتا ہے۔ پھر وہی دس لاکھ والی چیز اسی شخص کو آٹھ لاکھ نقد کی بیچ دیتا ہے۔ بظاہر تو یہ خرید و فروخت اور تجارت ہے لیکن فی الحقیقت یہ کھلا سود ہے۔ جو کسی حال میں جائز نہیں۔

دوسرا یہ کہ بیشتر فقہاء کے ہاں بیع عینہ سے مراد ہے بیع موجل کو نافذ کر دینا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرض دار قرض دینے کی تاریخ پر قرض خواہ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ میں اس مہینہ قرض دینے سے قاصر ہوں۔ تو اس وقت مقررہ پر تاخیر کی وجہ سے قرض دار کے قرض میں اضافہ کر دیا گیا۔

درج بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ دونوں طرح کے بیع عینہ اور اس کے استعمال کو غلط قرار

۱) ابوداؤد۔ البیوع: ۵۴۔ مسند احمد ۲/۴۲



Marfat.com

دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم نے اس طرح کی بری تجارت شروع کر دی تو پھر ذلت و پستی کا انتظار کرو۔ جبکہ حدیث شریف کا دوسرا حصہ یعنی ''وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِیتُمْ بِالزَّرْعِ'' ''اور تم نے بیلوں کی دمیں پکڑ لیں اور کھیتی باڑی پر راضی ہو گئے'' اس حدیث شریف میں زراعت کے کام پر تنقید نہیں کی گئی کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا تھا:

''اِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَبِیَدِ اَحَدِکُمْ فَسِیْلَةٌ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَایَقُوْمَ حَتّٰی یَغْرِسَهَا فَلْیَفْعَلْ''

''اگر قیامت کا دن آ جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہو اور وہ اس کو لگانا چاہتا ہو تو اس کو لگا دے۔'' (۱)

نیز آپ نے فرمایا:

''مَنْ اَحْیَا اَرْضاً مَیْتَةً فَهِیَ لَهُ''

''جس نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا تو وہ اسی کی ہے۔'' (۲)

یعنی اسلام مردہ زمین کو اسی طرح پڑے رہنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اسے قابل استعمال بنا کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ حدیث شریف میں معاملات میں توازن اور اعتدال کی طرف اشارہ ہے کیونکہ معاشی زندگی کا دارومدار بھی تو پیداوار پر ہے لیکن پیداوار صرف اور صرف زراعت پر منحصر نہیں ہے کہ تجارت وصنعت وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح پیداوار میں خلل واقع ہو جائے گا۔ اور توازن بالکل بگڑ جائے گا۔ بالکل اسی طرح ساری قوت محض تجارت پر یا صرف صنعت پر لگا دینا بھی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہر میدان میں متوازن انداز میں کام کرنے سے ہی سارے معاملات میں توازن واعتدال پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی کام کو نہ تو بالکل چھوڑا جائے گا اور نہ ہی کسی کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ تب پیداوار اور ترقی میں توازن پیدا ہوگا۔

---

۱) مسند احمد، ۳/ ۱۹۱۔

۲) بخاری، الحرث: ۱۵، ابو داؤد، الامارۃ: ۲۷



Marfat.com

زراعت اور کھیتی باڑی دیہی علاقوں میں ہوتی ہے۔لیکن تمام دیہاتی لوگ اگر کھیتی باڑی میں جت جائیں تو شہروں کی ترقی بالکل رک جائے گی اور شہروں میں نقل وحرکت بند ہونے کی صورت میں صنعت وتجارت اپنی موت آپ مر جائے گی۔بالکل اسی طرح اگر تمام دیہاتی کھیتی باڑی چھوڑ کر شہروں کا رخ کر لیں تو بڑا خلل پیدا ہو جائے گا۔جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں غیر حکیمانہ انداز میں شہروں کی آبادیاں بڑھ رہی ہیں اور اس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کہ ضروریات زندگی ناپید ہو چکی ہیں۔نہ تو زمین کے اندر سے کچھ نکل رہا ہے اور نہ ہی زمین کے اوپر کچھ ہو رہا ہے۔بیروزگاری بڑھ رہی ہے۔فتنہ وفساد اور چور بازاری شروع ہو چکی ہے۔یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ معاملات میں توازن واعتدال نہیں رہا۔

اگر تعمیر اور ترقی میں اور سروسز میں توازن نہیں ہوگا تو ہم دشمن کے لئے بڑی آسانی سے تر نوالہ بنیں گے۔اس لیے ہماری روٹی کپڑا باہر سے آئے گا۔باہر کی منڈیوں سے جو کمپنیاں،تجارتی ادارے اور زرعی پیداوار ارسال کرنے والے بڑے بڑے ادارے ہماری معاشی زندگی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور جو چاہیں گے کریں گے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان آزمائشوں سے بچنے کے لئے ہر میدان میں توازن واعتدال کے ساتھ کام کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں شہروں کی طرف نقل مکان میں کوئی تیزی نہ تھی۔اس لیے حدیث شریف میں زراعت ہی کو سب کچھ سمجھ لینے کو معاشی خلل کہا گیا ہے لیکن آج کے زمانے میں معاملہ بالکل الٹ ہو گیا ہے۔لوگ شہروں کی طرف بڑی تعداد میں نقل مکانی کر رہے ہیں۔اس وجہ سے مالی بحران اور مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ان حالات میں واپس دیہاتوں کی طرف جانا اور وہاں رہنے کو ترجیح دینا مشکلات سے نکلنے کا آسان راستہ ہے۔حدیث کے مندرجہ بالا جملے کا یہی مفہوم ہے۔اس حدیث میں ایک طرف شہر کی تہذیب یافتہ زندگی سے واپس گاؤں کی بے تہذیب زندگی کی طرف جانے،اور غیر مہذب ہونے پر تنقید بھی ہے۔اور اچھی تہذیب کا نہ ہونا بھی ذلت وپستی کی علامت سمجھا گیا ہے۔



Marfat.com

اس حدیث میں تیسری بات انتہائی قابل ذکر ہے۔ ''تم نے جہاد ترک کر دیا۔'' یعنی جب تم اپنے کام کاج میں اس قدر کھو گئے کہ اس کو سب کچھ سمجھنے لگے تو پھر ذلت و پستی تمہاری منتظر رہے گی۔ جیسے تمہاری مادی سوچ اور بے جا تمناؤں نے تمہیں اندھا کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی طرح تمہاری معنوی تمنائیں بھی سیاہ ہو چکی ہیں۔ تمہارے روح کے آسمان میں ستارے چمکنے کی بجائے جھڑنا شروع ہو گئے ہیں۔ تمہارے چاند اور سورج کو گرہن لگ گیا ہے۔ یعنی اللہ کی شریعت تکوینی میں تمہارے لیے اس زمین کی سطح پر رہنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ذلت و پستی کو ہر قسم کی کوشش کے باوجود ختم نہیں کرے گا، سوائے اس کے کہ تم اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لو۔

ان حالات میں دین کی طرف کیسے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ایک زمانے سے ہمارے کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ ہم نے تو اس زمانے میں خود اپنے حقوق ادا کرنا ترک کر دیے ہیں چہ جائے کہ دوسروں کے حقوق ادا کریں۔ اسی لیے وہ اہداف نہیں حاصل ہو سکے جن کا انتظار ہمارے گھر والے، ہماری امت اور ہماری آئندہ نسل کر رہی ہے۔ ہمارے ناتواں کندھوں پر بے شمار گناہ سوار ہو چکے ہیں۔ بیسویں صدی میں پیدا ہونے والا مسلمان تو ان گناہوں کے بار تلے دبا ہوا ہے۔ یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت مشکل کام ہے۔ ہمارے کان تین صدیوں سے امت کی پستی اور تباہ کاری کی چیخیں سن رہے ہیں۔ صرف ایک چوتھائی کی مشقت برداشت کرنے سے وہ چیخیں ماند نہیں پڑ سکتیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان حالات تک پہنچنے میں خود ہمارا قصور ہے۔ جب تک ہم خود درست نہیں ہوں گے یہ مسائل ختم نہیں ہو سکتے۔ ہمیں خود اپنے آپ کو درست کرنا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی مشعلیں روشن کرنی ہیں۔ اللہ کی رحمت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ قول و فعل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔ جس قدر ہم یہ کام کریں گے اسی قدر اس کی رحمتیں ہمیں ڈھانپیں گی۔ رحمت کے دروازے کھلیں گے اور جس دردناک حالت سے ہم دوچار ہیں، اللہ کی رحمت ہمیں اس حالت سے نکالے گی اور ہم اللہ کے حکم سے راہ سلامتی پر پہنچیں گے۔



Marfat.com

## ۱۔ رکاوٹیں توڑنے والے جانباز

رسول اکرم ﷺ اپنی جماعت کے ساتھ مل کر پورے انہاک سے جہاد کرتے رہے، آپ ﷺ کی جماعت کا ہر فرد اپنے اس فرض منصبی کو جانتا تھا۔ اور اس کی بطریق احسن ادائیگی کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔ اس ادائیگی کا بہترین نمونہ ہمیں احد کے میدان میں نظر آتا ہے۔ وہاں ہر رکنِ جماعت نے اپنا حق اور فریضہ بے مثال انداز میں ادا کر کے دکھا دیا۔ چاہے وہ مرد تھا یا عورت، بچہ تھا یا بڑا، نوجوان تھا یا بوڑھا۔ ان کے کمال اخلاص نے جنگ کا رخ بدل دیا اور نتیجہ مسلمانوں کے حق میں نکلا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دو خواتین کے کارنامے ایسے ہیں جو میری نظر سے کبھی اوجھل نہیں ہوتے۔ ایک میری والدہ ام سلیم اور دوسری ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما۔ یہ دونوں عظیم خواتین دوڑتی ہوئی مدینہ جاتیں اور وہاں سے پانی لا کر مجاہدین کو پلاتیں۔ پانی ختم ہوتے ہی مرہم پٹی لے کر زخمیوں کا علاج کرنے لگتیں۔ سارا دن وہ اسی طرح مصروف رہیں۔

جنگ کے دوران ہی ایک بڑھیا اپنے چھوٹے سے بچے کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بچے کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔ بچہ اتنا چھوٹا تھا کہ تلوار زمین کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔ بڑھیا اس قدر کمزور تھی کہ شاید کوئی کام نہ کر سکتی تھی۔ اس نے بچے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ نہ تو وہ پانی پلا سکتی تھی نہ مرہم پٹی کر سکتی تھی اور نہ ہی کوئی جنگی خدمت سرانجام دے سکتی تھی لیکن اس کو اپنے فرضِ منصبی کا پورا پورا شعور اور احساس تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جس حد تک ممکن ہو احد میں اپنا حصہ ڈالے اور بطریق احسن اپنا فرض ادا کرے۔

اس خوبصورت منظر پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک چھوٹا بچہ اور لاچار بڑھیا جذبہ شوق سے سرشار خدمت خلق کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔ بچے کے کندھے کے ساتھ لٹکنے والی تلوار دوسری طرف سے زمین کو چھو رہی تھی۔ اس کا جسم تو تلوار بھی نہ اٹھا سکتا تھا لیکن اس کی روح آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ بڑھیا نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ میں نہ تو کچھ دینے کے قابل



Marfat.com

ہوں نہ ہی کوئی کام کرسکتی ہوں لیکن یہ میرا بچہ ہے میں آپ کو ہبہ کرتی ہوں تا کہ یہ لڑے اور آپ کا دفاع کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے بچے پر ایک نظر ڈالی جس کی آنکھیں جواب کے انتظار میں چمک رہی تھیں۔ گویا وہ اپنی پرامید نظروں سے کہہ رہا تھا، یارسول اللہ مجھے اجازت دی جائے اور میں اپنی جان آپ پر وار دوں۔ جو آدمی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس طرح کی درخواست پیش کرے اس کو رد کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کی درخواست قبول کر لی اور اسے مسلمانوں کی صفوں میں شامل کر دیا۔ بچہ اپنے قد سے لمبی تلوار سے دوبدو لڑائی کر رہا ہے۔ احد کی جنگ بڑی مشکل جنگ تھی۔ اس جنگ میں تو حمزہ ابن جحش اور مصعب جیسے جانباز پہلوانوں کی ضرورت تھی۔ لیکن اس بچے نے بھی اپنے ناتواں کندھوں پر اس عظیم بوجھ کا حصہ تھام لیا۔ بچہ چھوٹا تھا اتنا زیادہ بوجھ اٹھانے کی طبعی قوت نہ رکھتا تھا۔ بالآخر دشمن کے پے در پے حملوں سے زمین پر آن پڑا۔ صحابہ نے اس بچے کو اٹھایا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تو بچے کا دل چڑیا کے دل کی طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر قدرتی مسکراہٹ دوڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سرور و خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز کرنا تھا۔ عنقریب احد کے میدان سے جہاں آگ لگی ہوئی تھی دائمی جنت میں پہنچنے والا تھا۔ اور اللہ سے ملنے کے لیے فرشتوں کے ساتھ اب اس کا مکالمہ ہونے کو تھا۔ رسول اللہ ﷺ بچے کی آنکھوں کو دیکھ رہے تھے جن سے بھرپور خوشی اور سرور کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں تکلیف ہو رہی ہے؟ حالانکہ بچے کو ڈر تھا کہ کہیں رسول اللہ کو دکھ نہ ہو اس نے کہا اے اللہ کے رسول نہیں۔'' ایسا لگ رہا تھا جیسے غمگین سورج احد کے پہاڑوں سے غروب ہوتے ہوتے بچے کے حسین چہرے سے ایک بار پھر نمودار ہونے کو ہے۔(۱)

ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنی احد کی جنگ میں بنفس نفیس شریک تھیں۔ سعید بن ابو زید انصاری ذکر کرتے ہیں کہ ام سعد بنت سعد بن ربیع کہتی ہیں کہ میں ام عمارہ کے پاس گئی اور ان سے کہا

۱) دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ، ۷/۳۷۰. ۳۷۱، حیاۃ الصحابہ، کاندھلوی: ۱/۵۹۸. ۵۹۹



Marfat.com

خالہ جان مجھے اپنا حال بتائیں۔ام عمارہ نے کہا میں علی الصبح گھر سے میدان جنگ کی طرف نکلی اور میرے پاس پانی کا مشکیزہ بھی تھا۔سوچا ذرا لوگوں کے حالات دیکھوں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی، آپ صحابہ کے درمیان موجود تھے اور فضا مکمل طور پر مسلمانوں کے حق میں تھی۔لیکن یکا یک کفار کا پلڑا بھاری ہو گیا تو میں فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی۔اور آپ کی حفاظت کے لیے تیر تلوار اور نیزہ کا استعمال شروع ہو گیا۔حضور ﷺ کا زخم اپنے جسم پر جھیلنے کے لیے تیار تھی۔ام سعد کہتی ہیں کہ دوران گفتگو میں نے ام عمارہ کے کندھے پر ایک گہرا زخم دیکھا تو پوچھا خالہ یہ کیا ہوا؟ کہا ایک کمینی ماں کے بیٹے نے مجھے زخمی کیا اللہ اس کو غارت کرے۔ جب لوگ حضور سے دور ہو گئے تو وہ چلاتا ہوا آیا اور کہنے لگا مجھے بتاؤ محمد کہاں ہے اگر وہ بچ جائے تو میں کامیاب نہ ہوا۔ چنانچہ مصعب بن عمیر، دیگر لوگ اور میں راستے میں حائل ہو گئے تو اس نے مجھے زخمی کیا۔میں نے اس پر بھرپور وار کیے لیکن اللہ کے دشمن نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔

شام تک لڑائی جاری رہی ادھر مدینہ شہر کی حفاظت بھی انتہائی ضروری تھی۔رسول اللہ کی بڑی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ کے دفاع پر مامور تھیں۔ جب انہیں رسول اللہ کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی تو فوراً احد پہنچیں اور ام عمارہ کی طرح بے دریغ میدان جنگ میں کود پڑیں اور بے جگری سے اس نیزے کو استعمال کرنے لگیں جوان کو وہیں زمین پر پڑا مل گیا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حالت دیکھی تو برداشت نہ کر سکے۔ صفیہ کے صاحبزادے سے کہا اپنی امی کو سنبھالو یہ تو جذبات میں آپے سے باہر ہو رہی ہیں۔خاتون ہیں اور اسطرح کافروں پر برس رہی ہیں کہ کافر میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹے جا رہے ہیں۔(۱)

اس کا مطلب ہے کہ جب جنگ شدت اختیار کر جاتی ہے تو خواتین بھی مردوں کی طرح بے جگری سے اپنے فرائض ادا کرتی ہیں۔

---

۱) حیاۃ الصحابہ، کاندھلوی: ۲/ ۸۸،الاصابہ، ابن حجر: ۴/ ۳۴۹.



Marfat.com

مسلمان ہر قسم کے مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتا ہے۔ چاہے یہ مصائب اندرون شہر ہوں یا بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہوں۔ مسلمان تو اپنے اہل خانہ، اپنے دین، اپنے وطن اور امت کی ہر وقت خدمت اور حفاظت کے لیے تیار ہوتا ہے۔

زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں پہ جہاد برابر فرض ہوتا ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اور قوم کے دفاع کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو ناکامی وشکست مقدر ہوگی۔ جیسے مومن اپنی پوری زندگی کے ہر شعبہ کی حفاظت کرتا ہے، بالکل اسی طرح جہاد بھی اپنے وسیع معنی میں پوری زندگی کی حفاظت کرتا ہے۔

## ب۔ عزت والی زندگی کی خاطر

بلاشبہ عزت کی زندگی کے لیے موت کے راستے سے گزرنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی راستے سے جس راستے میں موت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہوتی ہے۔

جب ہم مقدس امور کی انجام دہی کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا شروع کر دیں گے اور اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر موت کو آڑے نہ آنے دیں گے بلکہ موت کے لیے ہر دم تیار رہیں گے تو ہم ابدی زندگی کا مزہ لے سکتے ہیں۔

اس دنیا ہی میں ہم اس شعور کے ساتھ زندہ رہیں گے تو آخرت میں ہمارے لیے ایسی نعمتیں ہوں گی جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوں، جن کے بارے میں کسی کان نے نہیں سنا ہو، جن کے بارے میں انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ ہمارے اندر جہاد سے محبت اجاگر کرنے اور ہمارے عزائم کو مہمیز دینے کے لیے ارشاد فرماتے ہیں:

”وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِی مَاقَعَدْتُ خَلْفَ سَرِیَّةٍ وَلَوَدِدْتُ اَنِّی اُقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ“

”اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ میری امت پر گراں گزرے گا تو میں کسی جنگی مہم سے پیچھے نہ رہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں لڑوں اور قتل کیا جاؤں، پھر لڑوں اور



Marfat.com

قتل کیا جاؤں، پھر لڑوں اور قتل کیا جاؤں۔" (۱)

اللہ کے راستے میں مرنا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔ کس قدر اعلیٰ و ارفع کام ہے، کس قدر عظیم مرتبہ ہے، اس سے زیادہ اہم اور محترم کام کوئی نہیں ہوسکتا جس کی سید المرسلین اور سید الکونین بار بار خواہش کر رہے ہیں۔ آپ تو کمالات کی بلندیوں پر ہیں مگر کہتے ہیں کہ میں کسی بھی جنگی مہم سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ حالانکہ آپ تو رسالت الٰہی کی عظیم ذمہ داری اور منصب پر پہلے ہی فائز ہیں اور تمنا کر رہے ہیں کہ اللہ کے راستے میں مارے جائیں۔ پھر زندہ کیے جائیں۔ پھر مارے جائیں پھر زندہ کیے جائیں پھر مارے جائیں پھر زندہ کیے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زندگی میں جہاد نہیں وہ کتنی بیکار زندگی ہے۔ جہاد میں کس قدر اکرام و اعزاز ہے۔ ہر عقل مند کو ہر صورت اس شرف و عظمت کو حاصل کرنا چاہیے۔

جہاد کے موضوع پر روایت ہونے والی احادیث قابل توجہ ہیں۔ ہم یہاں بعض احادیث ذکر کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ"

"جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے کبھی غزوہ میں شرکت کی اور نہ ہی اس کی اپنے دل میں خواہش کی تو وہ نفاق کی ایک قسم پر مرا۔" (۲)

یعنی اس نے منافقت کی حالت میں روح قبض کروائی۔ ایک اور روایت میں ہے

"مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيهِ ثُلْمَةٌ"

"جو شخص اس حالت میں اللہ سے ملا کہ اس کے جسم پر کوئی نشان نہ ہو تو وہ رسوائی اور شرمندگی کی حالت میں رب سے ملا۔" (۳)

---

۱) مسلم، الامارۃ: ۲۸، بخاری، الایمان: ۲۶، النسائی، الجهاد: ۳.

۲) مسلم، الامارہ: ۱۵۷، ابوداؤد، الجهاد: ۱۷، نسائی، الجهاد: ۲.

۳) الترمذی، فضائل الجهاد: ۲۶. ابن ماجه، الجهاد: ۵



Marfat.com

یعنی جیسے کوئی آدمی عدالت میں آتا ہے تو اس کا چہرہ شرمندگی اور رسوائی کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہوتا ہے اور وہ شرمساری کی حالت میں ہوتا ہے۔ ہمارے دائیں بائیں، آگے پیچھے بے شمار ایسے لوگ ہیں جو واقعی مظلوم ہیں۔ ان سے زیادتیاں ہو رہی ہیں، ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، عذاب جھیل رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم ان مظلوموں کو ظلم سے چھٹکارا دلائیں اور ظلم کے ہاتھ روکیں۔ ورنہ ہم اپنے پروردگار کے ہاں روز محشر کھڑے ہوں گے تو اس دنیا میں ہم جو تکالیف دیکھ رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ سخت بدلہ اللہ کے ہاں ہوگا۔ اللہ کے ساتھ اس قدر رسوائی اور عار کے ساتھ ملنے سے بڑی بدبختی کیا ہوگی؟

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ امت پر آنے والی مصیبتوں کا تذکرہ فرما رہے تھے اور صحابہ ہر مصیبت کے تذکرہ کے بعد دریافت کرتے، یارسول اللہ ایسا ہوگا؟ اور وہ بڑے تعجب کے ساتھ پوچھتے کیا واقعی ایسا بھی ہوسکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ جواب دیتے: بلکہ اس سے بھی سخت حالات ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! اس وقت کیا ہوگا جب تمہاری عورتیں باغی ہو جائیں گی اور تمہارے نوجوان بدکردار ہو جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں بلکہ اس سے بھی برے حالات ہوں گے۔ فرمایا اس وقت ہوگا جب تم لوگ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دو گے۔ صحابہ نے عرض کیا: کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ اس سے بڑھ کر ہو گا۔ فرمایا اس وقت کیا عالم ہوگا جب تم برائی کو نیکی اور نیکی کو برائی سمجھو گے؟'' (۱)

ہماری ذمہ داری اور ادائیگیِ امانت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ہمارے دل کی اتھاہ گہرائیوں اور تحت شعور میں گناہوں کا بوجھ اس قدر زیادہ ہے کہ گزشتہ تین صدیوں سے ہمارے اصلاح احوال کی صورت نظر نہیں آرہی بلکہ آلام ومصائب میں اضافہ ہورہا ہے۔ ہماری بیماری کا کوئی علاج اور مداوا نہیں بلکہ بیماری بڑھ رہی ہے۔

---

۱) مسند ابی یعلی: ۱۱/۳۰۴، مجمع الزوائد، الهيثمي: ۲۸۰/۷، ۲۸۱



Marfat.com

بعض حضرات حج کر لینے اور کبھی کبھار مسجد میں حاضری دے لینے ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ جبکہ ان فرائض کو کما حقہ ادا کر لینے سے بھی ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ جن ناگفتہ بہ حالات سے ہم بحیثیت امت دو چار ہیں، ان کو حل کرنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اور یہ فریضہ ہم کو ہی ادا کرنا ہے۔ اگر آج بھی ہم نے اس فریضہ کو ادا نہ کیا تو پھر ہم اس گہری کھائی سے نہیں بچ سکتے جس کا تذکرہ حدیث شریف میں ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے رب العالمین کی طرف سے خبر دی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ حدیث میں جس زمانے کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے وہ ہمارا ہی زمانہ ہے۔



Marfat.com

Marfat.com

# پانچویں فصل

## جہاد کے راستے کی رکاوٹیں



Marfat.com

Marfat.com

## ا۔ جہاد اور سستی کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے

جہاد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیا اور اسکی لذتوں میں کھو جانا ہے۔ جو شخص اپنے آرام وراحت اور مرغوباتِ نفس کو قربان نہیں کرسکتا اس کے لیے جہاد جیسی عظیم مہم میں شمولیت کی کوئی توقع نہیں۔ اس لیے کہ جہاد جیسے عظیم کارنامے انجام دینا اسی کا کام ہے جو اپنی نفسانی خواہشات اور مادی لذتوں کا یکسر قربان کرسکے۔

جہاد سے محبت کرنے والوں کا کام یہ ہے کہ جہاد کے ذریعے انسانی صفوں میں ہمیشہ کی سعادت مندی شامل کردیں۔ یہاں تک کہ ابدی جنتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جائیں۔ حوریں ان کے استقبال کے لیے کھڑی ہوں ایسے خوبصورت بچے ان کی خدمت پر مامور ہوں جو ہمیشہ بکھرے موتیوں کی طرح ہی رہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ہی ہیں جنہوں نے جہاد جیسے عظیم کام کو پایا تکمیل تک پہنچایا تھا۔

میں آپ کو دنیا کی زندگی اور اس کی چکاچوند کی مثال دیتا ہوں: حقیقی مجاہد وہ ہوتا ہے جو میدانِ جہاد کی ادنیٰ سی خدمت کو دنیا کے بڑے سے بڑے منصب کے مقابلہ میں اعلیٰ وافضل سمجھے۔ ایک طرف اگر اسے پارلیمنٹ کا ممبر بنایا جارہا ہو یا اسے وزارتِ عظمیٰ اور صدارت کا منصب پیش کیا جارہا ہو اور دوسری طرف میدان جہاد گرم ہو تو وہ ان عظیم مناصب کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھے۔

ہم تو کئی برسوں سے ایسے جذبات سے سرشار مجاہد کو دیکھنے کے لیے ترس گئے ہیں جس کے اندر جہادی روح ہو جسے میدانِ جنگ اور محاذوں پر رہنے ہی کی لگن ہو۔ اور وہ شخص جو اپنے مادی اور معنوی مفاد کو قربان نہ کرسکتا ہو اور جہاد پر نکلنے کا مصمم ارادہ نہ کرتا ہو اس سے ہمیں کوئی اچھی امید نہیں بلکہ اگر وہ کہیں میدان میں چلا بھی جائے تو ہمیں خطرہ رہے گا کہ وہاں ہمارے لیے مشکلات و مسائل ہی پیدا کرے گا۔

اگر وہ اس دنیا کے فانی فوائد کو نہ چھوڑے اور نہ چھوڑنے کا ارادہ کرے اور اس بات کا یقین



Marfat.com

بھی نہ رکھے کہ جہاد کے راستے میں جو مزہ ہے وہ کہیں نہیں اور خود غرضی اور ذاتی مفادات کی کوئی حیثیت نہیں اور جب تک یہ نہ کہے کہ اے اللہ تیرے راستے میں ملنے والی موت کتنی اچھی ہے۔ اس وقت تک ہم اس کے جہاد کا یقین نہیں کرسکتے اور نہ ہی کریں گے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایسے آدمی کا جہاد فائدہ مند ہے نہ اسلام کی خاطر، نہ ہی امت کو کسی مشکل سے نکالنے کے لیے ہے۔ ہم تو ایسے جہاد کرنے والوں سے کسی فائدے کی امید رکھتے ہیں جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال کر اپنے گھربار چھوڑیں اور کسی مفاد کو پیش نظر نہ رکھیں جیسا کہ صحابہ کرام کی زندگیوں سے ثابت ہے۔ بالکل ایسے ہی اخلاص کے پیکر جو مادی لذتوں اور نفسانی خواہشات پر قابو پا چکے ہوں، ان کا ہمیں مدتوں سے انتظار ہے۔ ایسے لوگ جہاد کریں گے تو عنایات الٰہی کے اسباب بھی پیدا ہونگے۔

جو انسان آج کے دور میں جہاد کے نام پر تگ ودو کررہا ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر وہ اس طرز کا اخلاص پیدا کرلے اور وہی اسلوب اختیار کرلے جو ان پاک طینت صحابہ کرام نے کیا تھا یعنی ایسے جذبہ اور نیت سے جہاد کرے تو ہمارے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوسکتی ہیں اور ہمیں بہتری کی امید لگ سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں اسی طرز کے جہاد کی نصیحت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ o اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ o

(التوبۃ: ۳۸۔۳۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا ہے تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب



Marfat.com

سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

یعنی حق بات کو دوسروں تک پہنچا دو۔دنیا کے فانی مفادات اور شہوات حیوانیہ کو ترک کر دو۔اللہ کے حکم کی سربلندی کے لیے اور اسے چہار دانگ عالم میں پھیلانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اسی زمین سے چمٹے جا رہے ہو، نہ اس سے دور ہٹتے ہو اور نہ اس کی لالچ کو چھوڑتے ہو، اسی زوال پذیر دنیا کے ہو کر رہ گئے ہو اور اس کے آگے ہتھیار ڈال چکے ہو کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا ہی کی زندگی سے راضی ہو گئے ہو؟ کیا اس زندگی میں کھو گئے ہو جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہر چیز کو زوال ہے۔ یہ جوانی، یہ صحت، یہ مال، یہ دولت سب فنا ہو جائے گا۔تم اسے نہیں بچا سکتے۔

تمہاری روحوں سے یہ حسرتیں نکل جائیں گی تم ان سے بہت دور کر دیئے جاؤ گے۔ آخرت کی زندگی اور ہمیشہ کا ٹھکانا تمہارے انتظار میں ہے۔ وہاں جو آدمی جنت میں جائے گا اسے ایسی نعمتیں ملیں گی، ایسی لذتیں میسر ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔اس کے علاوہ پروردگار عالم کے حسن کا جلوہ بھی ہو گا۔اگر حقیقت یہ ہے تو پھر اس آخرت کے بدلے اس فانی زندگی سے کیونکر راضی ہو کر بیٹھ گئے ہو؟ ایک اور آیت قرآنی دنیا پرستی کو جہاد میں بڑی رکاوٹ ہونے کا اشارہ کر رہی ہے:

"لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ." (التوبہ:۴۲)

"اے نبی، اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمہارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتے۔مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہو گیا۔اب وہ خدا کی قسم اٹھا اٹھا کر کہیں گے کہ اگر ہم چل سکتے تو یقیناً تمہارے ساتھ چلتے۔وہ اپنے آپ کو



Marfat.com

ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

یعنی جس غرض کے لیے انہیں بلایا جا رہا ہے اس میں بڑی آسانی سے مال غنیمت ملتا۔ سفر بھی کم ہوتا، آرام وسکون ہوتا اور موت کا خطرہ نہ ہوتا تو یہ لوگ بلا تردد آپ کے ساتھ چل پڑتے لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ ہر چیز ان کی خواہشات نفس کے خلاف ہے۔ یہاں کوئی مادی فائدہ نہیں، کوئی منصب ومرتبہ ہے نہ کوئی شہرت، بلکہ یہاں تو جان جوکھوں میں ڈالنے والا سفر ہے۔ اس لیے ایسے موقع پر مومن اور منافق میں فرق بڑی آسانی سے واضح ہو جاتا ہے۔ مومن وہ ہیں جو بلا چوں چراں نبی پاک ﷺ کی بات پر لبیک کہتے ہوئے چل پڑتے ہیں اور منافق وہ ہیں جو بھاگنے اور پیچھے رہنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں اور جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ اس طرح درحقیقت اپنی ہی تباہی کا سامان کرتے ہیں، ان کو کوئی چیز جہاد سے روکنے والی نہیں ہوتی۔ ان کے دل اس بات کی گواہی دے رہے ہوتے ہیں اور ان کے جھوٹے عذر خود ان کے لیے دھوکے کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے اندر سے ان کے ضمیر پریشان اور مضطرب رہتے ہیں۔ اور جس کے دل ووجدان کو بے چینی ہو وہ بالآخر تباہ ہو جاتا ہے۔

مسئلہ کی تمام جہتوں کو سمجھنے کے لیے غزوہ تبوک کے وقت مدینہ منورہ کی عمومی فضا اور ماحول کو سمجھنا ضروری ہے جس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے ہم یہاں اس فضا اور ماحول کا جائزہ لیتے ہیں۔

مومنین اور مجاہدین ابھی سفر سے واپس ہی آئے تھے اور ضروری تھا کہ کسی دوسرے لمبے سفر سے پہلے تھوڑا سا آرام کر لیں۔ ادھر فصلیں بھی پک چکی تھیں جن کی کاشت ضروری تھی۔ گرمی اپنے عروج پر تھی اور ایسے حالات میں نبی ﷺ نے مومنین کو انتہائی مشکل کام کے لیے پکارا۔

مومنوں نے اس دعوت پر پورے اخلاص اور جوش سے لبیک کہا۔ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا سامان لے کر آ گئے۔ حضرت عمرؓ فاروق اعظم نے آدھا سامان خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تو اس قدر مال دیا کہ حد کر دی۔ حضرت علیؓ نے کچھ مال اعلانیہ دیا اور کچھ چھپا



Marfat.com

کر۔ یہ ان کے اخلاص کا اپنا ہی انداز تھا۔

چنانچہ تمام مومنین نے حسب استطاعت مالی جہاد میں حصہ لیا۔ ہر شخص مال قربان کرنے میں دوسرے سے مقابلہ کر رہا تھا اور جو کچھ تھا راہِ خدا میں لٹا رہا تھا۔ اس کارِ خیر میں خواتین بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ اس لیے ام المومنین حضرت عائشہ کا حجرہ خواتین کے صدقات سے بھر چکا تھا۔ خواتین نے اپنے زیور اتار دیے، کوئی گلے کا ہار پیش کر رہی تھی کوئی کنگن، کوئی پازیب تو کوئی کانٹے پیش کر رہی تھی۔ مومنین نے تو نبی کی ایک آواز پر سب کچھ پیش کر دیا۔ ادھر منافقین یہ شرطیں لگا رہے تھے کہ ہم اسی صورت میں اس مہم میں شریک ہوں گے کہ سفر لمبا نہ ہو، موسم گرم نہ ہو اور فصل کا موسم نہ ہو۔

یہ لوگ قسم قسم کے بہانے تراشتے اور نبی ﷺ سے اجازت طلب کرتے۔ ان میں سے ایک شخص جد بن قیس تھا جو ہمیشہ اذان سنتے ہی نماز کے لیے پہنچ جاتا لیکن اس کے دل کی گہرائیوں میں قرآن نہیں پہنچا تھا جو اس کے دل کو پھیر دے۔ اس کی خواہشاتِ نفس پر ایمان حاوی نہ ہو سکا۔ اس لیے وہ جان و مال قربان کرنے والے گروہ میں شامل نہ ہو سکا۔ وہ اس حالت میں رسول اللہ کے پاس اجازت لینے آیا کہ آپ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھوڑے کو تیار کر رہے تھے۔ جب آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا: تم بھی ہمارے ساتھ نہیں جا رہے؟ کیونکہ آپ کو توقع نہ تھی کہ یہ شخص پیچھے رہے گا۔ لیکن وہ نہیں جا رہا تھا۔ اللہ نے اس کو اس عظیم سفر سے محروم کر دیا۔ وقح نامی ایک شخص بے شرم سا آدمی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اجازت مانگتے ہوئے کہنے لگا: اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجیے اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے معاملہ میں بہت کمزور ہوں اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ان بنو اصفر کی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ نہ بیٹھوں۔ قرآن کریم اس کے معاملہ پر اس طرح تبصرہ کرتا ہے۔

" وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ." (التوبہ:۴۹)



Marfat.com

''ان میں سے کوئی جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجیے اور مجھ کو فتنہ میں نہ ڈالیے۔سن رکھو! فتنے ہی میں تو یہ لوگ پڑے ہیں اور جہنم نے ان کافروں کو گھیر رکھا ہے۔''

اور بعض منافقین کہتے ہیں ''قالوا لا تنفروا فی الحر'' کہنے لگے اس گرمی میں نہ نکلو۔رسول اللہ نے اس کا قرآن کی زبان میں یہ جواب دیا:

قل نار جھنم اشد حراً لو کان یفقھون

''کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے۔کاش یہ لوگ شعور رکھتے۔''

پس جن لوگوں نے اس وقت مشکلات برداشت کیں، درد سہہ گئے، مصیبتوں پر صبر کیا وہ آخرت کے عذاب سے بچ گئے۔مگر جو لوگ دنیا کی عارضی زندگی کی لذتوں کے پیچھے پڑ گئے، اسی سے مزہ لیتے رہے وہ آخرت میں بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔فرمایا:۔

'' وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ . ''

(الاحقاف:۲۰)

''پھر جب یہ کافر آگ کے سامنے لا کھڑے کیے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا:تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کر چکے ہو اور ان کا لطف تم نے اٹھا لیا۔اب جو تکبر تم دنیا میں کسی حق کے بغیر کرتے رہے اور جو نافرمانیاں تم نے کیں ان کی پاداش میں آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔''

قرآن کریم تمام مومنین کو جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیتا ہے۔جس نے اس دعوت کو جس قدر قبول کیا، اس قدر کامیاب یا ناکام ہوا۔جس نے دعوت جہاد قبول کی کامیاب ہوا اور جس نے رد کی، ناکام ہوا۔



Marfat.com

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کے لیے نکلنا مشکل ہے۔ جیسا کہ منافقین نے کہا کہ دنیا کی لذتیں نہیں چھوڑی جاسکتیں۔ یا پھر صحابہ کرام کی طرح کا رویہ اختیار کریں اور جو کچھ بھی ہے لے کر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔

## ۲۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام کی زندگیاں اور آرام وراحت کی قربانی

دنیا وآخرت کی قربانی کے لیے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر بار اور بیت اللہ شریف جیسے مرکز کو خیر باد کہہ دیا۔ مکہ مکرمہ جہاں آپ پیدا ہوئے، جہاں آپ نے بچپن اور جوانی گزاری۔ جہاں آپ کو وحی کا فیض ملا، جس کی گھاٹیوں اور وادیوں میں آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا۔ وہ غارِ حرا چھوڑ دی جہاں آسمانی مخلوق سے ملاقات ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اللہ کے لیے ترک کر کے ہمیں یہ سبق دے گئے کہ دعوت حق کے راستے میں کس قدر محبوب چیزوں کو چھوڑا جاتا ہے۔ جب آپ کی قوم نے آپ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو آپ کا دل غمگین نہ تھا کہ آپ کیا کچھ چھوڑ کر جا رہے ہیں، بلکہ آپ تو اپنے سامنے ایک روشن مستقبل دیکھ رہے تھے۔

دشمن جان کے پیچھے پڑے تھے، ہر طرف سے پہرے اور رکاوٹیں تھیں۔ قدم قدم پر محاصرہ تھا۔ آگ کے حلقہ کی طرح آپ کو گھیرا گیا تھا۔ آپ نے ہجرت کے آغاز میں غار ثور میں پناہ لی۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔

وہاں دعوت کا مرکز بنایا تاکہ اسے ساری دنیا میں پھیلایا جاسکے اور انسانیت تک اس عظیم پیغام کو پہنچایا جائے۔ آپ ہر لحظہ موت کے منہ میں ہوتے، گویا موت ہر طرف سے آپ کو گھیرے ہوئے تھی لیکن ہر قسم کی رکاوٹوں کے باوجود آپ کے اندر کمال سکون اور اطمینان تھا اور کبھی پریشانی اور اضطراب نہ ہوا۔ یعنی جب آپ غار ثور میں تھے اور غار کے دہانے میں سے دشمنوں کے پاؤں نظر آرہے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ کی زندگی کی خاطر سخت پریشان تھے تو بھی آپ کمال اطمینان سے بیٹھے تھے۔ گویا کہ اپنے جانثار صحابہ کے درمیان بیٹھے ہیں۔ پھر پریشانی، ڈر اور اضطراب کیسا؟ یعنی اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دنیا سے اٹھالیا تو اس سے تو آپ کی عظیم ترین ذمہ داریوں



Marfat.com

میں ہی کمی ہوگی اور ابدی سکون ونعمتوں کی دنیا میں بھیج دے گا۔ اس لیے آپ کو کوئی بے چینی نہ تھی۔

کیا وہ اس فانی دنیا سے نجات نہیں پائیں گے جس میں ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور اس عالم بالا میں جائیں گے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نہیں ہے؟ کیا وہ اس کے تمام حالات سے واقف نہیں۔ اس لیے آپ نے غار میں ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"مَاظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا"

"ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"(۱)

یعنی کیا تم گمان کرتے ہو کہ محمد اور ابوبکر اکیلے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ابوبکر کو اس طرح تسلی دیتے تھے کہ اگر ساری دنیا بھی آپ کی دشمن بن جاتی تو آپ پریشان نہ ہوتے اور دنیا آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتی۔ اگر سارے دوست بھی آپ کو چھوڑ جاتے، حتیٰ کے ابوبکر بھی آپ سے علیحدہ ہو جاتے تو اللہ پر آپ کا اعتماد اور بھروسہ آپ کے دل کو مزید اطمینان سے بھر دیتا۔ اللہ تو آپ ﷺ کی مدد ایسے لشکروں سے کرتا ہے جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔(۲)

ہم ان لشکروں کی کیفیت تو نہیں سمجھتے لیکن یہ بات ضرور سمجھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی لشکروں کے ذریعے کئی مرتبہ مدد کی گئی۔ ایسا صحابی جس نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہو باقی صحابہ سے نمایاں اور افضل شمار ہوتا ہے۔ اور اعزاز کے طور پر کہا جاتا ہے بدری صحابی۔ اسی طرح فرشتوں میں سے جو فرشتے غزوہ بدر میں شریک ہوئے ان کو بدری فرشتے کہا جاتا ہے اور یہ ان کا اعزاز بھی ہے اور فرشتوں کی مدد کی دلیل بھی۔ حضرت معاذ بن رفاع بن رافع زرقی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (وہ بدری صحابی ہیں) کہ ایک مرتبہ جرائیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا آپ اپنے لوگوں میں اہل بدر کو کیا اہمیت دیتے ہیں؟ رسول اللہ نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے افضل۔ کہا اس طرح فرشتوں میں سے جس نے بدر میں شرکت کی اسے بھی بدری کہا جاتا ہے۔

---

۱) دیکھیے بخاری، تفسیر سورۃ توبہ: ۹ مسند امام احمد: ۱/۴

۲) بخاری، فضائل اصحاب النبی: ۱۱



Marfat.com

ایک جلیل القدر صحابی اس طرح کے ایک انوکھے اور منفرد معرکہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:
مسلمانوں میں سے ایک شخص ایک مشرک کے پیچھے بڑی تیزی سے حملہ کے لیے بڑھ رہا تھا کہ اس نے کوڑا برسنے کی ایک زوردار آواز سنی اور ایک گھوڑا سوار کو سنا جو کہہ رہا تھا حیزوم آگے بڑھو۔ اسی اثناء میں مسلمان نے دیکھا کہ مشرک سر کے بل نیچے پڑا ہے۔ اس کی ناک پھٹ چکی ہے اور کوڑے کے بھرپور وار سے اس کا چہرہ ایک طرف سے شدید زخمی ہے۔ (۱)

جب اس مسلمان نے یہ قصہ رسول اکرم ﷺ کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ "حیزوم" جبرائیل کے گھوڑے کا نام ہے اور اسی نے کوڑا مارا تھا۔ اس وقت جبرائیل نے زبیر بن عوام کی پگڑی کی طرح زرد رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی اور دائیں بائیں وار کر رہے تھے۔

احد میں مصعب بن عمیر کو رسول اللہ نے نہ پایا اور اسی اثناء میں مصعب آپ کے سامنے مسلسل تیغ بازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ جب سورج ڈھلنے لگا اور کفار بھاگ گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے مصعب آگے آؤ۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا مصعب شہید نہیں ہو چکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں شہید ہو چکے ہیں لیکن ان کی جگہ ایک فرشتے نے جنگ لڑی ہے اور اس کا نام بھی مصعب ہے۔ (۲)

اس واقعے سے سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مومنین کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو نہ تو کبھی چھوڑا اور نہ بھولا۔ حنین جیسے خطرناک معرکہ میں انتہائی خطرناک حالات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد کی۔

جو لوگ جہاد میں شرکت نہیں کرتے درحقیقت وہ موت کے خوف اور زندگی سے پیار کی وجہ سے اس طرح کرتے ہیں حالانکہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے اسے نہ تو بے یار و مددگار چھوڑا جاتا ہے اور نہ ہی وہ جنگ میں اکیلا ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب العالمین نے انتہائی نامساعد حالات میں کبھی اکیلا نہیں چھوڑا۔

---

۱) تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر: ۳/ ۵۷۰. ۵۷۱،مسلم، الجهاد و السیر ۵۸.
۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/ ۳۶۹، الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۱۲۱.



Marfat.com

جس نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا، نہ تو کبھی پریشان ہوا اور نہ ہی کبھی غمگین ہوا نہ خوفزدہ کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور اس زبردست کی حفاظت اور نگہبانی میں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے کوئی اس وقت تک خوفزدہ بھی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ذات میرے ساتھ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمام جہانوں کی بادشاہی اسی کی ہے وہ قادر مطلق ہے۔ وہ میرا مددگار ہے۔ اس ابتری اور خرابی میں پڑنا بالکل غلط ہے جس میں یہود جا پڑے کیونکہ جب ان کو جہاد کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے نبی کی نافرمانی کی اور بلاوجہ پریشانی اور تشویش میں پڑ گئے اور اپنے رب پر ہی ان کا ایمان متزلزل ہو گیا۔ جس خوف کی بنا پر انہوں نے جہاد سے پیچھے رہنے کا فیصلہ کیا وہ لایعنی تھا۔ اس نے ان کو اس کے سوا کوئی فائدہ نہ دیا کہ جس بات سے ڈرتے تھے وہی ہوئی اور ان کی مرضی کے خلاف انہیں سزا کے طور پر چالیس سال تک صحراؤں میں دھکے کھانے پڑے۔

اگر ہم بھی ان ٹھوکروں، صحراء نوردی اور ذلت سے نکلنا چاہتے ہیں جن میں گزشتہ تین صدیوں سے پڑے ہیں تو ہمیں اپنے اصل دین کی طرف پلٹنا ہو گا۔ اپنی ذات کو پہچاننا ہو گا۔ اپنے آپ کو ایسے سانچے میں ڈھالنا ہو گا جو سیرت محمدی علیہ الصلوٰت والتسلیمات کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہمیں کوشش کرنی ہو گی تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر سے خوف اور بے چینی کو ختم کرے اور اگر ہم مادی منفعتوں کے پیچھے نہ پڑیں، انہی کو زندگی کا مقصد نہ بنائیں، دنیوی لالچ کی خاطر اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے نہ گرائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا میں باعزت اور باوقار بنائے گا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ زوال پذیر فانی لذتوں سے پیٹھ پھیریں اور انہیں کوئی اہمیت نہ دیں۔

کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو دنیا کی نعمتوں اور عیاشیوں کی خاطر آخرت کو قربان کر دیتے ہیں، لیکن مومن وہ ہے جو ساری دنیاوی نعمتوں کو آخرت کے لیے قربان کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت اور ہر طاقت کو آخرت کے لیے استعمال کرتا ہے۔

مومن وہ ہے جو دین کی سربلندی کے لیے زندگی گزارتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دین اسلام غالب آئے۔ ساری دنیا میں اسلام کا اقتدار قائم ہو، ورنہ روزگار اور مال کے لیے زندگی گزارنا تو فضول ہے۔



Marfat.com

مومن ایسی طرز زندگی کو پسند نہیں کرتا جس پر دین کا غلبہ اور چھاپ نہ ہو۔ بلکہ مومن کا نعرہ یہ ہے کہ ایسی زندگی کے لیے بربادی ہو۔ مومن کے تحت الشعور میں ہمیشہ یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ معاشرہ کو دین پر کاربند کرنے کے لیے میری ہر چیز لگ جائے۔ دنیا کو اسلام پر چلانے کی خاطر اگر میری آخرت بھی لگ جائے تو مجھے کچھ پروا نہیں۔ مجھے نہ تو جنت میں جانے کی رغبت ہے اور نہ جہنم کا ڈر ہے بلکہ میری خوش بختی ہوگی کہ نہ صرف ترکی کے دو کروڑ عوام بلکہ ساری دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کی زندگی میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی خاطر میری زندگی لگ جائے۔ یقیناً اس میں مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ اگر قرآن کریم پر عمل نہ ہو، قرآن کا علم زمین پر پڑا ہو اور میں اس کو سر بلند نہ کرسکوں، اس حال میں ملنے والی جنت بھی مجھے پسند نہیں۔ اسے بھی میں اپنے لیے جیل ہی سمجھوں گا۔

اگر ہماری امت کا ایمان سلامت ہو اور مجھے آگ میں جلنا پڑے تو میں اس جلنے پر راضی ہوں گا کیونکہ میرا جسم تو جل رہا ہو گا لیکن میرا دل اور روح دونوں پر سکون اور خوش ہوں گے۔(۱) جس شخص کی مرغوبات نفس پر یہ کلمات غالب آجائیں۔ اس کے مقصد کے آگے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی۔

## ۳۔ جہاد اور زندگی کو حقیر جاننے کا تعلق:

زندگی سے بے رغبتی، عیش کوشی اور آرام طلبی چھوڑنے کا پہلا نتیجہ ہے اور جو شخص اپنی مکمل رضامندی اور مرضی سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے اس کی آخری شرط ہے۔ بلاشبہ جو لوگ زندگی کے عیش و آرام کو کمتر نہیں سمجھتے اور آخرت کو اس یقین کی آنکھ سے نہیں دیکھتے جیسے اس دنیا کو دیکھتے ہیں، ان کے لیے جہاد کے میدان میں اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ اترنا انتہائی مشکل ہے۔ عہد نبوت سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ احد کے روز جب لوگ رسول اللہ ﷺ سے ادھر ادھر چھٹ گئے تو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ میں نے شہداء میں دیکھا تو وہاں آپ نہ تھے تو میں نے دل میں کہا

---

۱) بدیع الزمان سعید نورسی کی خود نوشت سے اقتباس: ۲۵۷۔



Marfat.com

کہ آپ سے بھاگنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا شہیدوں میں بھی نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اعمال کی وجہ سے ہمارے اوپر غضب کیا اور اپنے نبی کو اٹھا لیا ہے۔ اب اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہے کہ میں اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک کہ شہید نہ ہو جاؤں۔ تو میں نے تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور لوگوں کے اندر داخل ہو گیا تو اس وقت میں نے آپ ﷺ کو لوگوں کے اندر دیکھا تو میرا غم ختم ہوا۔ (۱)

ہمیں ہر صورت معاشرتی زندگی میں مصروف چاہیے لیکن جان نثارانہ جہاد کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ہمیں ہر حال میں ایسا جہاد کرنا ہے جس میں رضائے الٰہی کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو۔ یعنی یہ شعار ہونا چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی چاہیے۔ ''نہ تو میرے دل میں جنت کی رغبت ہے اور نہ جہنم کا ڈر۔''

ہماری آخری تمنا یہی ہو کہ ہمارا سب کچھ اس کے راستے میں قربان ہو جائے۔ ہمیں وہی الفاظ کہنے چاہئیں جو ثابت بن وحاق نے احد میں اس وقت کہے تھے جب مسلمان انتہائی تشویش میں تھے: ''اے انصار کی جماعت میری طرف آؤ، میری طرف آؤ اگر محمد شہید ہو چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے، اسے موت نہیں آئے گی، اپنے دین کی سربلندی کے لیے لڑو۔'' (۲) پھر ہمیں بھی چاہیے کہ اس طرح اس دنیا سے جائیں جس طرح وہ مسکراتے ہوئے روشن چہرے کے ساتھ احد کی پہاڑیوں سے جنت کی خوشبو سونگھتے ہوئے گئے۔

دنیا کو ہر لحاظ اور ہر پہلو سے حقیر سمجھنا اور دنیا و آخرت میں توازن و اعتدال قائم کرتے ہوئے ہر دو کو اتنی ہی اہمیت دینا جتنی اہمیت ضروری ہے۔ یہی مثالی زندگی ہے اور ایسی ہی زندگی مسلمانوں کو گزارنی چاہیے۔ یعنی تمام امور اعتدال کے دائرے میں رہتے ہوئے انجام دینے چاہئیں۔ بنیادی طور پر یہ الاھم فالاھم (پہلے اہم تر پھر اہم) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اولیٰ اور اہم کو پہلی ترجیح

---

۱) مسند ابی یعلی: ۱/۴۱۵، حیاۃ الصحابہ، کاندھلوی: ۱/۵۱۵. ۵۱۶.

۲) حیاۃ الصحابہ، کاندھلوی: ۱/۵۱۶...



Marfat.com

میں رکھنا چاہیے اور دنیا اور آخرت دونوں کو ان کی حیثیت کے مطابق مکمل توازن اور اعتدال کے ساتھ اس قدر اہمیت دینی چاہیے جس قدر ہمارا دین بتاتا ہے۔ یعنی دنیا کا معیار اس کی قدر و قیمت کے مطابق مقرر کرنا اور آخرت کا معیار اس کی قدر و قیمت کے مطابق مقرر کرنا۔ جو لوگ اس انداز کا توازن قائم کر سکتے ہیں انہیں کسی قسم کا ڈر یا تشویش نہیں ہوتی۔ اگر ساری دنیا بھی ان کے سروں پر ٹوٹ پڑے تو یہ پریشان نہیں ہوتے کیونکہ ڈر اور تشویش تو دنیا کی خواہشات اور لالچ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ یہ لوگ تو اس دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ایسے شخص کو کوئی تشویش و غم نہیں ہوتا جو جانتا ہے کہ یہ دنیا اور اسکی مرغوبات فانی ہیں اور آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہو گی۔ اس لیے آخرت کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ آخرت کا شوق اور کشش کچھ کر گزرنے کی طاقت اور ہمت عطا کرتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔

دیکھیے صحابہ کرام نے احد میں ۷۰ قیمتی جانیں قربان کیں اور کتنے ہی زخمی ہوئے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں مدینہ لوٹے کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی سر میں چوٹ کی وجہ سے تکلیف میں تھے۔ تمام مجاہدین تھکے ماندے بیمار اور زخمی تھے۔ کوئی بھی اسلحہ اٹھانے کی قوت نہ رکھتا تھا۔ اسی اثناء میں یہ خبر پھیل گئی کہ ابوسفیان اپنی فوج کے ساتھ ایک بار پھر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آ رہا ہے۔ جیسے ہی یہ خبر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو راستے ہی میں آڑے ہاتھوں لینے کے لیے یہ اعلان کرا دیا کہ صرف وہی مجاہدین جہاد کے لیے نکلیں جو کل ہمارے ساتھ احد میں موجود تھے۔ اس انداز کے حکم کی حکمت اور نفاذ کا اندازہ لگانا شاید ممکن نہ ہو۔ ان تھکے ماندے مجاہدین میں سے کوئی تو ایسا تھا جس کا بازو نہیں تھا، کسی کی ٹانگ نہ تھی، کوئی پاؤں ضائع کر چکا تھا۔ لیکن کوئی ایک بھی غیر حاضر نہ تھا۔ تمام لوگ اگلا حکم سننے کے لیے مجوزہ جگہ پر جمع ہو چکے تھے۔ بعض تو گھسٹ گھسٹ کر پہنچے تھے۔ اس لیے کہ جب بات جہاد کی ہو تو صحابی کیسے پیچھے رہ سکتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو پیچھے ہٹنے والا یا بزدل ہو حالانکہ ان کے جسم زخموں سے چور تھے۔ ان کی طاقت جواب دے رہی تھی لیکن ان کے روحیں زندہ تھیں اور شوق کے پروں کے ساتھ اڑ کے دشمنوں تک پہنچنے کے لیے بے چین تھیں۔ قرآن کریم ان



Marfat.com

حالات کی اس طرح تصویر کشی کرتا ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ .

(آل عمران:۱۷۳)

جن سے لوگوں نے کہا کہ: ''تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈرو'' تو یہ سن کران کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ: ''ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

اس اعلان کا دشمنوں پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ الٹے پاؤں واپس پلٹ گئے، انہوں نے سمجھا کہ مسلمان ایک نئی تازہ دم فوج اور بھرپور کمک کے ساتھ راستے ہی میں مقابلے کے لیے آرہے ہیں۔ اس طرح زخموں سے چور شیروں نے دنیا کی تاریخ میں بہادری کی داستان سنہری لفظوں میں رقم کی اور دوسرے روز مسلمان فاتحانہ انداز میں احد کے میدان میں تھے۔(۱) مسلمان تو ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اگر شہید ہوجائے تو کامیاب ہوگیا اگر غالب آگیا تو کامیاب۔ یہاں میں دور حاضر کا ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہوں جو میں نے خود دیکھا ہے۔

جب ہمارے ملک میں بدامنی اور بربریت عروج پر تھی، فتنہ پرور اور ملک دشمن عناصر راہ سے گزرتی گاڑیوں کو پکڑتے اور ان کو فوج اور پولیس کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان دشمنوں نے ایک راہ گزرتے ٹرک کو روکا تاکہ اس کو فوج کے خلاف استعمال کرسکیں لیکن ٹرک ڈرائیور (معلوم نہیں اس میں کس قدر قوت ایمانی تھی) ہاتھ میں ایک مضبوط ڈنڈا لیے نیچے اترا اور بیس کے لگ بھگ دشمنوں کو تتر بتر کر دیا۔

مسلمان بالکل اسی طرح اپنے عزت و وقار اور شرف کی حفاظت کرتا ہے جیسے اس ٹرک ڈرائیور نے اپنے مال، عزت اور شرف کو بچانے کے لیے مجبوراً بیس کے لگ بھگ لوگوں پر حملہ کر

۱) البدایة و النھایة: ۴/۴۹.



Marfat.com

دیا۔ مسلمانوں کو جاننا چاہیے کہ دشمنوں کے ساتھ کس طرح نمٹا جا سکتا ہے۔ اور دشمنوں کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالنا چاہئیں۔ نہ ہی ان کے خوف سے گھر میں بیٹھے رہنا چاہیے۔ مسلمان کو چاہیے کہ خیر و بھلائی کے کاموں میں تعاون کرے اور حق کا ساتھ دے۔

میں غلط قسم کی وضاحت اور تاویل کی بجائے بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ میں کسی سے یہ مطالبہ نہیں کر رہا ہوں کہ اسلحہ سے لیس ہو کر گلیوں میں، بازاروں میں پھیل جاؤ، میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مومن کے اندر ڈر اور خوف کبھی نہیں آ سکتا۔ اس کی مثال دی جائے تو سیدنا زبیرؓ بن عوام کی مثال سے زیادہ بہتر مثال نہیں دی جا سکتی۔

ایک روز مکہ کی گلیوں میں ایک حیرت انگیز خبر گردش کر رہی تھی اور لوگ اس خبر پر انگشت بدنداں تھے۔ کوئی بھی تبصرہ کرنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ خبر یہ تھی کہ محمد کو قتل کر دیا گیا۔ ایک بچہ جس کی عمر بارہ سال سے بھی کم تھی اپنے ہاتھوں میں تلوار گھسیٹتے ہوئے کبھی گلی کی ایک نکڑ پر جاتا کبھی دوسری نکڑ پر۔ یہ بچہ آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کا بیٹا زبیرؓ بن عوام تھا۔ جو بعد میں حواری رسول کے لقب سے مشہور ہوا۔ خود آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلا شبہ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔''(۱)

وہ دیوانوں کی طرح گلیوں میں پھر رہے تھے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ بچہ آخر کیا چاہتا ہے۔ اس اثناء میں سامنے سے نبی اکرم ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا زبیر کہاں کا ارادہ ہے؟ زبیر اچانک رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ تو زبیر نے کہا کہ میں اس شخص کو قتل کرنے جا رہا ہوں جو آپ کے قتل کے درپے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کو کیسے قتل کرو گے جو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ زبیر کم سنی کی وجہ سے ایک ہاتھ میں تلوار نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے دونوں ہاتھوں سے بمشکل تلوار اوپر اٹھا کر کہنے لگے: اس تلوار کے ساتھ یا رسول اللہ۔ زبیر وہ تلوار اٹھا کر شہر کی گلیوں میں گھومتے رہے جسے وہ

---

۱) بخاری، الجہاد: ۴۱، مسلم، فضائل صحابہ: ۴۸،



Marfat.com

اٹھا بھی نہ سکتے تھے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ایسی زندگی کی کوئی قیمت نہیں جو رسول اللہ پر قربان نہ ہو جائے، آپ کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ۔

زندگی سے بے رغبتی کی ایک مثال جنگ یمامہ میں بھی منفرد مقام رکھتی ہے۔ جو شخص آخرت ہی کو ترجیح دیتا ہے وہی یہ منظر دکھا سکتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر بوڑھے ہو چکے تھے لیکن میدانِ جنگ سے پیچھے رہنے کے لئے کبھی یہ نہ کہتے تھے کہ میں تو بوڑھا ہوں۔ جنگ نہ بھی کروں تو کوئی حرج نہیں۔ جنگ اپنی شدت سے گرم تھی، ہر طرف چیخ و پکار تھی، مسلمانوں میں انتشار اور سستی آ چکی تھی، لوگ دائیں بائیں بھاگ رہے تھے، اسی اثناء میں لوگوں کے کانوں میں ایک ایسی آواز پڑی جسے سب لوگ جانتے تھے، ہر کوئی اس آواز سے واقف تھا۔ وہ عمار بن یاسر تھے جو کہہ رہے تھے مسلمانو! کیا تم جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں نے یمامہ کے روز دیکھا کہ عمار بن یاسر ایک چٹان پر کھڑے با آواز بلند پکار رہے ہیں "اے مسلمانو کیا تم جنت سے بھاگ رہے ہو میں عمار بن یاسر ہوں میری طرف آؤ" عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ان کا ایک کان کٹ کر لٹک رہا تھا اور وہ مردانہ وار لڑ رہے تھے۔ (۱)

ہرقل کے سپہ سالار نے اس سے سچ ہی کہا تھا: اے بادشاہ ہم ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کی سکت نہیں رکھتے جو موت کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ہم زندگی کو اور وہ آخرت سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسے ہم دنیا سے محبت کرتے ہیں۔

عمار جس چیز کے شوق کے لیے یمامہ میں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے وہ حاصل نہ ہو سکی، اس لیے کے رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ "تم سب سے آخر میں جو چیز پیو گے وہ دودھ ہو گا۔" عمار نے اس دودھ کے گھونٹ کے لیے کئی جنگیں لڑیں، موتہ، یرموک اور یمامہ میں حصہ لیا۔ پیرانہ سالی میں بھی جنگ کے بعد جنگ لڑتے، لیکن کسی جنگ میں انہیں شہادت نصیب نہ

---

۱) اسد الغابة، ابن الاثير: ۱۳۴/۴، حياة الصحابه، كاندهلوى: ۴۵/۲.



Marfat.com

ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگ صد میں آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس وقت عمار کی عمر نوے برس سے زیادہ تھی۔ ان کے سر میں کوئی بال بھی سیاہ نہ تھا۔ گویا کہ ایک نور ہے جو سر پر پھیلا ہوا ہے۔ شام تک مسلسل لڑتے رہے، شام کو انہوں نے ساتھیوں سے کہا کچھ پینے کے لیے دیں۔ انہوں نے دودھ کا پیالہ پیش کر دیا۔ جیسے ہی دودھ کا پیالہ دیکھا تو اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا عمار یہ تیرا آخری رزق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشین گوئی کی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرا سورج بھی غروب ہو گیا۔ لیکن یہ سورج اب جنت کی وادیوں میں طلوع ہوگا۔ عمار موت کو جانتے ہی نہ تھے اس لیے کہ ان کا ایمان تھا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ نہ یہ پہلے آسکتی ہے اور نہ یہ ٹل سکتی ہے۔ قرآن کریم بھی اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ." (آل عمران:۱۴۵)

"کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔ جو شخص ثوابِ دنیا کے ارادے سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا میں سے دیں گے، اور جو ثوابِ آخرت کے ارادے سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا۔ اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔"

اللہ نے ہر ذی روح کی موت کا پیدائش کے ساتھ ہی ایک وقت مقرر کیا ہے اور موت اسی وقت مقررہ پر آتی ہے۔ سیدنا عمرؓ کئی جنگوں میں بھرپور شرکت کے باوجود جب شہید ہوئے تو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے کافر نے خنجر کے وار کر کے شہید کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید کے جسم میں ایک درہم کے برابر کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں تلوار، تیر یا نیزے وغیرہ کا زخم نہ ہو لیکن آپ شہید نہ ہوئے اور



Marfat.com

گھر کے اندر بستر پر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔

میں یہ بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں کے رب جلیل نے موت کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے اس سے نہ تو لحظہ بھر پہلے موت آسکتی ہے اور نہ بعد میں۔ ہم اس وقت مقررہ پر مریں گے جو اللہ نے لکھ دیا ہے۔ اس کی اجازت اور حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جب موت آجائے تو اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور اگر نہ آئی ہو تو کوئی مار نہیں سکتا۔ جو لوگ موت کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ موت نہیں پاتے اور جو موت سے بھاگتے ہیں بچ نہیں سکتے کیونکہ موت وقت مقررہ پر آتی ہے۔ اس لیے ڈر کر زندگی گزارنے کی بجائے عزت کی زندگی گزارنی چاہیے۔ مسلمان کی موت بھی اس طرح دین کی خدمت کرتی ہے جیسے اس کی زندگی دین کی خدمت کے لیے ہوتی ہے، کیونکہ مسلمان کی موت بعد میں آنے والوں کے لیے پیغام حیات ہوتی ہے۔ بلکہ ہر دیکھنے اور سننے والے کے لیے اس کی موت میں سبق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں بھولے اور کبھی بھول بھی نہیں سکتے۔ ہم اس عظیم قربانی دینے والے کو کیسے بھول سکتے ہیں جس کے خون سے فرشتوں نے آسمان پر لکھا تھا ”اللہ کا شیر“ اس لیے کہ وہ جسم کے ٹکڑے ہونے کے باوجود آقائے دو عالم کے سامنے ڈھال بنے رہے۔ آنے والے لوگوں کو یقین ہو گیا اور بعض نے تجزیہ بھی کیا کہ سیدنا حمزہ کی روحانی طاقت اور جذبہ واخلاص اگر پیدا کر لیا جائے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ وہ ہر وقت ہمارے درمیان موجود ہیں، وہ زندہ ہیں، ان کا ذکر خیر ہر مجلس میں ہوتا ہے لیکن دل کی آنکھیں کھلی رکھنے والے ہی ان کی زندگی کا شعور رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نبی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ یہ سعادت، خوش بختی اور عظیم مرتبہ ان کے بعد ہر اس شخص کو ملتا رہا اور ملتا رہے گا جو اس دین پر ایمان لایا اور اسکی خدمت کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اس دین کی عزت اور غلبہ کے لیے اپنی جان تک قربان کر دی۔



Marfat.com

# چھٹی فصل

## جہاد سے محبت کرنے والی عظیم روحیں



Marfat.com

Marfat.com

## ۱۔ سرورِ کونین ﷺ

نبی آخر الزمان ﷺ سردار انبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر تمام قسم کی نعمتوں کو تمام کر دیا۔ ولادت سے لے کر وفات تک اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کو وہ خصوصیات دی گئیں جو مخلوق میں سے کسی کو نہ دی گئیں۔ آپ علم حمد کے حامل ہیں، آپ کو ہر قسم کے گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ کر دیا گیا۔ آپ کی تمام اگلی پچھلی تقصیرات معاف کر دی گئیں۔ یعنی نہ تو آپ نے نبوت ملنے سے پہلے کوئی گناہ کیا اور نہ نبوت ملنے کے بعد۔ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین پیغمبر ہیں۔ دنیوی اور اخروی فضائل و مراتب میں سے کوئی مرتبہ یا فضیلت ایسی نہیں جو آپ کو عطا نہ کر دی گئی ہو۔ اس کے باوجود آپ اپنی خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ ! لَوَدِدْتُ اَنِّی اَغْزُوْ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُو فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُو فَاُقْتَلُ"

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے، میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں لڑوں اور قتل کیا جاؤں، پھر لڑوں اور قتل کیا جاؤں، پھر لڑوں اور قتل کیا جاؤں۔" (۱)

رسول اللہ ﷺ کس بات کی تمنا کر رہے ہیں، تمام جہانوں کے سردار کو شہادت کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں وہ شہادت چاہتے ہیں، کیوں اپنے پاک خون کو راہ خدا میں بہانا چاہتے ہیں۔ آپ کو سرداری کا ایسا تاج پہنا دیا گیا کہ آپ کی وجہ سے یہ جہاں وجود میں آئے، ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

۱) مسلم، الامارۃ: ۱۰۶.۱۰۳، بخاری، الایمان: ۲۶، نسائی، الجہاد: ۳۰.۱۸



Marfat.com

"لَوْلَاكَ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ"
"اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔"(۱)

آپ شہادت کو پسند کرتے تھے۔ اللہ سے شہادت مانگتے تھے، کیونکہ شہادت روز محشر تمام مشکلات کو حل کر دے گی۔ اس بڑے یوم حساب میں ممتاز مقام عطا کرے گی۔ آپ ﷺ خود اس وقت کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جب تمام لوگ حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب تمام لوگ روز حشر حساب کے لیے کھڑے ہونگے تو ایک قوم آئے گی جن کے کندھوں پر خون آلود تلواریں لٹک رہی ہوں گی وہ جنت کے دروازے پر بھیڑ کیے ہوں گے۔ پوچھا جائے گا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملے گا۔ شہداء ہیں جو زندہ تھے اور انہیں رزق مہیا کیا جارہا تھا۔"(۲)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "میں پسند کرتا ہوں کے اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔"

بڑی تعداد میں ایسے انبیاء بھی گزرے ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، جنگ کا لباس زیب تن کیا، زخمی ہوئے، شہادت کے مراتب پر فائز ہوئے حالانکہ وہ نبی تھے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر نعمت اور فضیلت عطا کی گئی تو شہادت کی یہ فضیلت بھی ان کو عطا ہونی چاہیے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آپ کو کھانے کی دعوت دی لیکن اس نے کھانے میں زہر ملا دیا اور اس زہر کا آپ کی صحت پر بہت برا اثر پڑا۔(۳)

---

۱) اس حدیث پر علماء حدیث نے بہت کلام کیا ہے بعض نے اسے صحیح کہا ہے اور بعض ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ملا علی قاری نے شرح الشفاء میں بڑا اچھا خلاصہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ معنی کے لحاظ سے یہ صحیح ہے لیکن الفاظ کے لحاظ سے صحیح نہیں۔

۲) مجمع الزوائد، الهيثمی: ۲۱۱/۱۰، الترغيب و الترهيب، المنذری: ۳۱۸/۲

۳) ابو دائود، الديات: ۶.



Marfat.com

بعض تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات کا سبب بھی یہی زہر تھا۔اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ ﷺ شہید ہوئے۔ پھر نبی کریم ﷺ دورانِ جنگ شہید ہونے کی تمنا رکھتے تھے لیکن دورانِ جنگ شہید ہونے کا ظاہری مطلب یہ ہوتا ہے کہ دشمن نے اس شخص پر غلبہ پالیا جس کو مار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا تا کہ امت میں اختلافات نہ واقع ہوں۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے شہادت کی دعا بھی قبول فرمالی۔

## ۲۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

ہر صاحبِ عقل مسلمان ایسی شہادت کی تمنا کرتا ہے جو کافروں کے ساتھ جنگ اور قتال میں حاصل ہو۔ حضرت عمر بھی انہی مجاہدین میں شامل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد مسلسل دس سال تک منبرِ رسول پر نبی کریم ﷺ کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ نبی کریم کے سامنے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ حضرت عمر کی نظر میں فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔ یعنی حضرت عائشہؓ کے کمرہ سے انہیں زمین کے نیچے نور کے باغات میں رکھ دیا گیا۔ اور عالم برزخ سے عالم مثال میں وہ دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عمر نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے جنت عدن کا تذکرہ کیا۔ آپؓ اس جنت کی صفات، وسعت اور دروازے وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس میں انبیاء علیہم السلام داخل ہوں گے۔ پھر لطیف سی نظر روضہ رسول کی طرف دوڑائی اور ہلکا سا جھکتے ہوئے بڑے عقیدت اور احترام سے کہا۔ اے قبر والے آپ کو مبارک ہو۔ پھر جنت عدن میں داخل ہونے والوں کا ذکر جاری رہا۔ اور پھر فرمایا کہ نبیوں کے بعد صدیقین اس جنت میں داخل ہوں گے۔ اور اس مرتبہ منبر سے ہلکے سے جھکاؤ کے ساتھ بڑی عقیدت واحترام سے حضرت ابوبکر صدیق کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے قبر والے مبارک ہو۔ پھر فرمایا صدیقین کے بعد شہداء جنت میں جائیں گے۔ شاید آپ کو رسول اللہ کی وہ بشارت یاد آ گئی۔ جس میں آپ ﷺ نے آپ کی شہادت کی پیشین گوئی کی تھی۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ احد پہاڑ پر بیٹھے



Marfat.com

تھے کہ پہاڑ نے ہلنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اُثْبُتْ اُحُدُ فَمَا عَلَیْکَ اِلاَّ نَبِیٌّ اَوْ صِدِّیقٌ اَوْ شَہِیدَانِ''

ٹھہر جا اے احد! تیرے اوپر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (۱)

شاید حضرت عمر کو وہی بات یاد آ گئی اور کچھ دیر کے لیے خاموش کھڑے رہے۔ تمام لوگ اس انتظار میں تھے کہ اب عمر کے ہونٹ ہلیں گے تو کیا کہیں گے۔ جو ہونٹ ہلے تو فرمایا۔ عمر تیرے نصیب میں شہادت کہاں؟ یعنی پتہ نہیں میں شہادت حاصل کرسکوں گا یا نہیں۔ یا اسی قسم کی کوئی بات کہی اور پھر خاموش ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد انتہائی بلیغ انداز میں اپنے آپ سے کہا:

''جس اللہ نے تجھے اسلام پر چلنے کا راستہ دکھایا، تجھے ہجرت نصیب کی، تجھے اپنے پیارے نبی کے صحابہ میں سے بنایا، مدینہ میں بہترین زندگی دی، وہ تیرے نصیب میں شہادت بھی لکھے گا۔''

یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بردباری اور دانائی تھی کہ بات بھی کہہ ڈالی اور دعا بھی کی کہ اللہ شہادت نصیب کرے۔ حضرت عمرؓ تو وہ واحد صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا۔'' (۲)

آپ وہ شخصیت ہیں جن کو نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ فہم وفراست کی دولت عطا ہوئی۔ پوری امت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کے باوجود آپ کی ہمیشہ تمنا رہی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے جان دے دیں اور اس مقصد کو ہمیشہ ترجیح میں رکھا۔

معلوم نہیں کہ اس خطبہ کے کتنے عرصے بعد آپ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ مسجد میں امامت کرا رہے تھے کہ آپ کے جسم اطہر پر خنجر کے وار کر کے آپ کو زمین پر گرا دیا گیا اور آپ خون میں لت پت ہو گئے۔ شاید آپ نے اس خطبہ کے کچھ ہی عرصہ بعد شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اس لیے کہ آپ کو نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر سے بچھڑے ہوئے لمبا عرصہ بیت چکا تھا۔ موت کی تمنا تو تھی لیکن شہادت کی

---

۱) بخاری، فضائل اصحاب النبی: ۶، ابو داؤد، السنہ: ۸

۲) ترمذی، المناقب: ۱۸، مجمع الزوائد، الھیثمی: ۶۸/۹.



Marfat.com

موت اور وہ بھی مدینہ کے اندر۔ آپ بار بار بڑے خشوع وخضوع سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے رسول کے شہر میں موت دے۔"(۱)

آپ دعا مانگتے اور اس قدر روتے کہ لوگ بھی رونا شروع کر دیتے۔ چنانچہ کسی ایک نماز کی دعا قبولیت حاصل کر گئی اور آپ کو مسجد رسول میں دوران نماز شہید کر دیا گیا۔(۲)

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ان دو آنسوؤں اور دو قطروں کی اہمیت کو سمجھ سکیں جو اللہ کے راستے میں اس مقتدر اعظم کے حضور حاضری کے شوق کے لیے نکلتے ہیں تو ہم بھی ہزار ہا شوق وجستجو سے یہ کام کریں۔ اور ہماری روحوں کے پر بھی اس طرح پھڑ پھڑائیں جس طرح فاختہ کے پر پھڑ پھڑاتے ہیں۔ رقت اور خشوع وخضوع بھی اس قدر بڑھتا ہے جس قدر ایمان بڑھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ"

"دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے آنسو بہائے اور دوسری وہ آنکھ جو رات بھر اللہ کے راستے میں پہرہ دے۔"(۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ ان دو قسم کے قطروں کو کس قدر پسند کرتا ہے۔ اب جو شخص اپنے آپ کو اللہ کی محبت کے ساتھ ملانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ راستہ اختیار کرے جس کے ذریعے اللہ کی رضا اور محبت نصیب ہوتی ہے۔ اور دنیا کی ظاہری چکا چوند اور چٹ پٹے ذائقوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ دنیا کی کشش میں خود نہ کھو جائے بلکہ اپنے آپ کو مکمل طور پر آخرت کی کامیابی کے لیے وقف کر دے اور یہ شعور اس وقت اجاگر ہوتا ہے جب انسان عرفان کے درجے پر پہنچ جائے۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ دنیا کا سب سے مشکل کام یہی ہے۔

---

۱) بخاری، فضائل المدینہ: ۱۲، الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۲۳۱/۳

۲) اسد الغابہ، ابن الاثیر: ۱۷۸/۴، الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳۵۴/۳

۳) ترمذی، فضائل جہاد: ۱۲، کنز الاعمال، الھندی: ۱۴۱/۳



Marfat.com

ہمارے نزدیک عرفان یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ایمان کی مشعل کو اس قدر روشن کر دے کہ اس کو اس کی روشنی میں دنیا میں رہتے ہوئے آخرت اس طرح نظر آئے جیسے دنیا نظر آتی ہے اور وہ آخرت کو بالکل اسی طرح اپنی نظروں کے سامنے پائے جس طرح دنیا اسے نظر آتی ہے۔ تب اس کے اندر آخرت کی کشش اور شوق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ کوئی عقل مند پھر اس دنیا کی فانی لذتوں میں نہیں کھو سکتا۔ پھر جب انسان ہمیشہ رہنے والی ابدی نعمتیں، مناظر اور رعنائیاں دیکھ لے تو اس دنیا کی فانی بے فائدہ اور گندی چیزوں کی طرف کیسے مائل ہو سکتا ہے۔

## ۳۔ عمرو بن جموح اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

شہادت ابدی کامیابی کی ضمانت ہے۔ عہد رسالت میں عمرو بن جموح اور سعد بن خیثمہ نے یہ ضمانت حاصل کر لی تھی۔ قصہ یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ بہت کمزور اور بوڑھے تھے۔ صاحب فراش ہو چکے تھے۔ چلنے پھرنے کی سکت بھی نہ تھی۔ کبھی کبھار لاٹھی کے سہارے چلتے تھے۔ لیکن جیسے ہی ان دونوں نے یہ منادی سنی کہ جہاد کے لیے نکلو تو دونوں زخمی شیر کی طرح اٹھے اور جہاد کے لیے تیار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ دونوں الگ الگ گھروں میں رہتے تھے اور اپنے اپنے بچوں اور پوتوں کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ اگر جہاد کے علاوہ کوئی اور کام ہوتا تو میں تم کو ہی کہتا کہ چلے جاؤ لیکن شہادت اور اللہ سے ملاقات اور ہمیشہ کی جنت مل رہی ہو تو پھر میں کسی اور کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ دونوں کے بچوں نے والد اور دادا سے بات کی کہ آپ بزرگ ہیں، کمزور ہیں، صاحب فراش ہیں۔ ہمیں جہاد کے لیے جانے دیں، دونوں بزرگوں کے بچے اپنے اپنے گھروں میں اس موضوع پر بالکل ایک جیسا بحث مباحثہ کر رہے تھے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں کوئی علم نہ تھا لیکن دونوں بیک وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور اپنے بچوں اور جوانوں کے بارے میں شکایت کی۔ ہر ایک الگ الگ کہہ رہا تھا "میرے بچے اور پوتے مجھے جہاد کے لیے نہیں جانے دیتے کہ میں شہادت حاصل کروں اور اپنی جان کو آپ کی خاطر قربان کر دوں۔" رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے جذبات کو معمول پر لانے کی کوشش کی لیکن ان کی نظریں صرف اور



Marfat.com

صرف جنت پر لگی تھی۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ان کے اصرار پر ان کی بات مان لی۔ اس طرح دونوں بزرگ جہاد میں شریک ہوئے۔ اور ابدی جنتوں میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں عمرو بن جموح کو دیکھ رہا ہوں کہ جنت میں کھیل کود رہے ہیں۔ جنگ کے بعد دونوں بوڑھے بالکل اکٹھے زمین پر پائے گئے۔ (۱)

ہاں عمرو بن جموح اور سعد بن خیثمہ اللہ کے راستے میں قربان ہو گئے۔ ان کی سچی شہادت پر خود باری تعالیٰ، سید المرسلین اور ملائکہ کرام گواہ ہیں کہ ان دونوں کو جنت مل گئی۔ باقی لوگ جو ابھی تک دنیا میں موجود ہیں لیکن بالکل انہیں جیسے جذبات کے ساتھ زندہ ہیں کہ کب اللہ کے راستے میں موت ملے اور کب شہید ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جنت کی رغبت اور موت سے محبت انہی کے اندر پیدا ہوتی ہے جو عرفان کے درجے کو پہنچ چکے ہوتے ہیں اور اہل عرفان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہاں کی سسکیاں اور آہیں وہاں کی خوشی اور سرور میں بدل جاتی ہے۔ یہاں کی بے چینی اور تشویش وہاں کی ابدی لذتوں اور اطمینان میں بدل جاتی ہیں۔ انسان کو یہ شعور بطریق احسن اجاگر کر لینا چاہیے اور اپنے آپ کو ان حقائق پر کاربند کرنا چاہیے۔ ماضی میں گزرے ہوئے حقائق کا کھوج لگانا ہمارے لیے مفید رہے گا۔ اسلام کی عظیم دعوت اپنے آغاز سے ہمارے اندر اسی شعور کو بیدار کر رہی ہے۔

ہمارے اسلاف بھی تو انسان تھے اور ہماری طرح انہیں بھی اپنی زندگی عزیز تھی لیکن اللہ کے دین کی خاطر اپنے آپ کو قربان کرنا ان کو گھٹی میں پلا دیا گیا تھا۔ وہ بڑی رغبت، کشش، جذبے اور شوق سے جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ اس لیے کہ وہ ایک اور حقیقت سے واقف ہو چکے تھے جس کو سمجھنے کے لیے ہمیں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ عرفان کے درجے کو پہنچ چکے تھے۔ قرآن کریم ہمارے اندر وہی عرفان پیدا کرنا چاہتا ہے اور ہمیں باور کراتا ہے کہ ان مجاہدین کی طرح ثابت قدمی پیدا کرنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ان کی مکمل اقتداء کی جائے۔ جیسا انہوں نے جہاد کیا تھا اسی طرح جہاد کیا جائے اور یہ یقین کر لیا جائے کہ وہ مردہ نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے ہاں ایسی زندگی گزار رہے ہیں جس کا ہم شعور نہیں رکھتے۔ بلکہ صرف وہی شخص اس کو سمجھ سکتا ہے جو وہ مرتبہ پا گیا۔

---

۱) مجمع الزوائد، الهيثمی، ۹/ ۳۱۳، اسد الغابة، ابن الاثير: ۴/ ۲۰۸



Marfat.com

## ۴۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

شہادت مومن کی عزت افزائی کی علامت ہے۔ آخرت میں مومن کو وہ عزت واحترام دیا جائے گا جو مہمانِ خصوصی کو دیا جاتا ہے۔ حضرت جعفر بن ابو طالب کو ملنے کا تمغہ شہادت ہمارے لیے بہترین مثال ہے۔

حضرت جعفر بن ابو طالب نے موتہ کی لڑائی میں بے مثال داستانِ شجاعت رقم کی۔ جو لوگ آپ سے پیچھے آپ کو دیکھ رہے تھے کہتے ہیں کہ انہوں نے جنگ شروع ہونے کے بعد ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ جب ان کا گھوڑا ان کا ساتھ دینے کے قابل نہ رہا تو اس کو بھی چھوڑ دیا اور اس کے پاؤں کاٹ دیے۔ پیدل ہی جنگ کی آگ میں داخل ہو گئے اور پورے جذبے، شوق اور قوت سے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کیا۔ ان کے دونوں بازو کٹ گئے اور پھر جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مجلس میں ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا (اس مجلس میں ان کے صاحبزادے عبداللہ بھی موجود تھے۔) ''میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا۔''

حضرت جعفرؓ نے فرشتوں کے ساتھ پرواز کرنے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ ایک بشر کی حیثیت سے قربانی دے کر فرشتوں میں شامل ہو گئے۔

## ۵۔ ابو عقیل رضی اللہ عنہ

ابو عقیل اپنی ذات میں ایک افسانوی کردار تھے۔ انہوں نے بدر سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر شرکت کی لیکن جس شہادت کی تمنا تھی پوری نہ ہو سکی۔ ان کے نصیب میں یہ تمغہ یمامہ کے روز آیا۔ اس جنگ میں جہاں مسیلمہ کذاب کے ساتھ مقابلہ تھا اور بڑی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے۔ جنگ یمامہ کا دن ان کی زندگی کا آخری دن تھا۔ یہ کہنا درست ہے کہ اس دن وہ امر ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے۔ اس دن آپ نے اپنے خون سے ایسا پر آشوب قصیدہ رقم کیا کہ کوئی شاعر ایسا قصیدہ نہیں لکھ سکتا۔ ابو عقیل کے واقعے کو سیدنا ابن عمر کی زبانی سنتے ہیں:

---

۱) ابو داؤد، الجہاد: ۵۹، اسد الغابة، ابن اثیر: ۱/۳۴۳



Marfat.com

یمامہ کے روز جنگ شروع ہونے سے پہلے لوگ صف بستہ ہوئے تو پہلا تیر ابن عقیل کو دل اور کندھے کے درمیان آ کر لگا اور آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اور جنگ میں شرکت کیے بغیر آپ کو خیمہ میں بھیج دیا گیا۔ آپ کی بائیں جانب بالکل جواب دے گئی تھی۔ یہ سب کچھ صبح سویرے ہو چکا تھا۔ لڑائی بہت شدید تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنا شروع ہو گئے اور مسلمانوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتے ہوئے اس جگہ سے گزرے جہاں ابوعقیل موجود تھے اور زخموں کی وجہ سے حرکت کرنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے معن بن عدی کی آواز سنی جو با آواز بلند انصار کو پکار رہے تھے "اللہ" "اللہ" پلٹو دشمن پر حنین کی طرح خود کو پھر سے مناؤ۔ یہ اس وقت ہوا جب انصار شور مچا رہے تھے کہ ہمیں بچاؤ اور ایک ایک کر کے لوگوں کو نکالا جا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ابوعقیل جو ہلنے کی طاقت بھی نہ رکھتے تھے، جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ میں نے کہا ابوعقیل آپ کیا چاہتے ہیں آپ تو لڑ نہیں سکتے۔ ابوعقیل کہتے ہیں منادی کرنے والے نے مجھے ہی تو بلایا ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں میں نے کہا وہ تو انصار کو بلا رہے ہیں زخمیوں کو نہیں۔ ابوعقیل نے کہا: میں انصار میں سے ہوں اور میں منادی کرنے والے کے بلانے پر جاؤں گا چاہے مجھے گھسٹ کر ہی جانا پڑے۔ ابوعقیل دائیں ہاتھ میں تلوار گھسیٹتے ہوئے آہستہ آہستہ نکلے جبکہ ان کا بایاں پہلو جواب دے چکا تھا۔ پھر انہوں نے خود منادی شروع کر دی۔ اے انصار لوٹ آؤ حنین کی طرح۔ چنانچہ انصار پر اللہ رحم فرمائے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اور ایک بڑی طاقت بن کر یکبارگی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

دونوں فوجوں کے درمیان تلواریں چلنے لگیں۔ لوگ گتھم گتھا ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابوعقیل کا بایاں بازو کندھے سے الگ ہو کر گر چکا ہے اور ان کے جسم پر چودہ کے قریب زخم ہیں اور سارے جنگ کے دوران لگے۔ بالآخر اللہ کا دشمن مسیلمہ کذاب قتل ہوا۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں ابوعقیل کے پاس پہنچا وہ زمین پر پڑے تھے۔ زندگی کی آخری سانسیں تھیں۔ میں نے آواز دی اے ابوعقیل۔ جواب دیا لبیک۔ ان کی زبان کانپ رہی تھی۔ پوچھا جنگ میں کس کو شکست ہوئی۔ میں نے کہا، خوشخبری ہے مبارک ہو اور اونچی آواز سے کہا: اللہ کا دشمن مارا گیا۔ ابوعقیل نے اپنی انگلی آسمان کی



Marfat.com

طرف اٹھائی اور کہا۔ الحمدللہ۔ ساتھ ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ پہنچ کر اپنے والد سیدنا عمر کو یہ سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ شہادت مانگا کرتے تھے۔(۱)

## ۶۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عمرو مشہور صحابی جابر بن عبداللہ کے والد ہیں۔ ان کی شہادت کے بعد جابر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور اپنے پیچھے یتیم بچے چھوڑ گئے ہیں۔ اب ساری ذمہ داریاں میرے اوپر آن پڑی ہیں۔ جبکہ میرے پاس ان کے لیے اتنا نہیں ہے کہ روزی پوری کرسکوں۔ نبی ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے تا کہ اس وقت جابر کی بیوی یا بہن ساتھ والے کمرے میں بڑی غمگین حالت میں دکھ بھری آواز میں بول رہی تھی تا کہ رسول اللہ ﷺ سنیں۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جب عبداللہ بن عمرو احد کے روز شہید ہو گئے تو رسول اللہ نے فرمایا اے جابر کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ نے کیا کہا۔ میں نے کہا ضرور بتائیے یا رسول اللہ۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام نہیں کیا مگر پردے کے پیچھے سے لیکن تیرے والد سے براہ راست بات کی اور فرمایا اے میرے بندے خواہش کرو، پوری کروں گا۔ تیرے والد نے کہا میرے رب مجھے پھر زندہ کرتا کہ میں تیرے راستے میں پھر شہید کیا جاؤں۔ اللہ نے فرمایا: یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکا ہوں کہ دوبارہ اس طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ تیرے والد نے کہا اچھا تو میرے پیچھے والوں کو بتا دیں کہ ہم کس حال میں ہیں۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل کی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

''جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

---

۱) حیاۃ الصحابہ، کاندھلوی: ۱/ ۸۰۳، الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۳۷۴۔ ۳۷۵



Marfat.com

## ۷۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ

میں نہیں جانتا کہ کوئی ایسا بھی ہے جو بئر معونہ کی داستان شجاعت سے ناواقف ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار قراء کی ایک جماعت کو قبیلہ عمرو بن طفیل کی خواہش پر ان کو دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا۔ اس جماعت میں حرامؓ بن ملحان بھی تھے۔ وہ حضرت انسؓ کے ماموں اور ام سلیمؓ کے سگے بھائی تھے۔ ان کا شمار بھی ایسے عقیدت مندوں میں ہوتا ہے جو دیوانگی کی حد تک رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ جب یہ قافلہ بنو عمرو بن طفیل کے علاقے میں داخل ہوا تو انہوں نے باقی لوگوں سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آگے جاتا ہوں۔ اگر انہوں نے خاموشی سے میری بات سنی تو تم لوگ بھی آجانا۔ اگر ان کا ارادہ خطرناک ہوا تو مجھے نقصان پہنچائیں گے لیکن تم بچ کر واپس چلے جاؤ گے۔ تمام قافلے والے اس رائے سے متفق ہو گئے۔ جب حرام بن ملحان قبیلہ والوں کے پاس پہنچے تو تمام لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ خوش ہیں اور باتیں سن رہے ہیں۔ لیکن جب آپ نے دینِ حق کی تبلیغ کی اور دینی امور کی وضاحت کرنے لگے تو ان لوگوں نے حرام بن ملحان کو اذیت ناک طریقے سے قتل کر دیا۔ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ ان کو ایک خون آلود گہرے کھڈ میں پھینک دیا۔ حالانکہ شہید ہونے کے بعد وہ تو اللہ کی ابدی نعمتوں میں پہنچ چکے تھے۔ جیسا کہ تمام شہداء کو اللہ تعالیٰ اپنے نور میں داخل کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ. (ق: ۲۲)

''ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔''

اس لیے ان کی آنکھیں تو جنات نعیم کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے شہید ہوتے وقت فرمایا تھا۔ اللہ اکبر۔ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ ادھر کفار نے نہ صرف انہیں قتل کر دیا بلکہ تمام ۷۰ صحابہ جو ساتھ تھے سب کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ مسجد میں صحابہ کے درمیان موجود تھے۔ تو اس واقعہ پر آنکھیں برس پڑیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ہمارے ساتھ اپنے کچھ ساتھی بھیج دیں تا کہ وہ ہمیں قرآن و



Marfat.com

سنت کی تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ۷۰ آدمی بھیج دیے جو سب انصار میں سے تھے۔ ان کو قاری کہا جاتا تھا اور ان مبلغین میں میرے ماموں حرام بھی تھے۔ یہ لوگ راتوں کو قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے تھے اور دن کو مسجد کے لئے پانی لاتے اور لکڑیاں اکٹھی کر کے بازار میں فروخت کرتے اور اس رقم سے اہل صفہ کے فقراء کے لئے کھانا خرید لیتے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ نے اس ظالم قبیلہ کی طرف دعوت دین کے لئے بھیجا لیکن ان لوگوں نے اصل جگہ پہنچنے سے پہلے ہی انہیں قتل کر دیا۔ ان صحابہ کرام نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے نبی کے سامنے ہماری حالت بیان کر دینا کہ ہم تجھ سے مل چکے ہیں اور تجھ سے راضی ہو گئے ہیں اور تو بھی ہم سے راضی ہو گیا ہے۔ ہوا یہ کہ ایک آدمی میرے ماموں کے پیچھے سے چھپ کر آیا اور اس نے نیزے سے بھرپور وار کر کے ماموں کو شدید ضرب لگائی۔ ماموں نے کہا رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کو بتایا کہ تمہارے بھائی قتل کیے جا چکے ہیں۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے نبی کے سامنے ہماری حالت بیان کر دے کہ ہم تجھ سے مل چکے ہیں اور تجھ سے راضی ہیں اور تو بھی ہم سے راضی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہر روز نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا شروع کر دی اور ان قاتلوں کے خلاف بددعا کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر بددعا کرنے سے روک دیا کہ:

"لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ۔" (آل عمران:۱۲۸)

"فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔"

اس معاملہ سے آپ کا تعلق نہیں ہے۔ یعنی ان لوگوں کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔

وہی ہے جس نے تم میں سے بعض کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کیا۔ اور انہیں انعام واکرام سے نوازا۔ اور کافروں کو جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے، لیکن انہیں چھوڑے گا نہیں۔ وہ کافروں کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی پکڑ آن پہنچے گی تو یہ کافر بچ نہیں سکیں گے۔ کتنے ہی سرکش گزرے ہیں جن کو اللہ نے غارت کیا، کتنے ہی ہیں جن کی شدید پکڑ ہوئی کتنے ہی فرعون گزرے ہیں جنہیں محلوں سے اللہ نے زمین پر دے مارا، کئی ظالم ایسے گزرے ہیں جن کو غرق کر



Marfat.com

دیا، کئی جابر گزرے ہیں کہ اللہ نے آسمان سے ان پر پتھر برسائے، کتنے ہی نافرمان گزرے ہیں جن کو اللہ نے آگ میں بھسم کر دیا۔ اگر ان میں سے کوئی بچا بھی تو وہ بھی دنیا والوں کے لئے عبرت بن کر رہ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ مہلت تو دیتا ہے، لیکن بالکل چھوڑ نہیں دیتا۔ اللہ بڑا حلیم اور بردبار ہے لیکن اس کا عذاب بھی شدید ہے۔ جن ظالموں نے بئر معونہ میں معصوم مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا۔ سب کے سب جہنم کا ایندھن بنے سوائے ان کے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ البتہ جو لوگ وہاں ناحق مارے گئے ان کا ٹھکانہ نعمتوں بھری جنت ہے۔ اگر یہ عزت و اکرام نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

## ۸۔ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

یہ ممکن نہیں ہے کہ شہیدوں کا تذکرہ ہو اور سیدنا حمزہ کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ جو سید الشھداء اور شیر خدا کے القاب سے مشہور ہیں۔

سیدنا حمزہ جنگِ احد میں اپنی شجاعت کی انوکھی اور بے مثال داستان رقم کر رہے تھے۔ حمزہ جیسی بہادری کی مثال آج تک کوئی مجاہد، غازی یا شہید رقم نہیں کر سکا۔ وہ واقعی جرات اور بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ تاریخ نگاروں کے بیانات کے مطابق احد کے روز انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تینتیس کافروں کو جہنم واصل کیا اور پھر شہید ہوئے۔ یعنی کافروں کے مجموعی طور پر قتل ہونے والوں میں سے نصف کے قریب لوگوں کو انہوں نے خود قتل کیا اور پھر جان دے دی۔ ان کی ہمشیرہ صفیہ رضی اللہ عنہا ان کے جسد خاکی کے ٹکڑے چن رہی تھیں اور ساتھ ساتھ آنسو بھی بہا رہی تھیں۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ شیر خدا سیدنا حمزہ کی شہادت پر غمگین تھے تو دوسری طرف اپنی پھوپھی اور حمزہ کی ہمشیرہ کا رونا آپ کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ اس روز مسلمانوں میں سے کوئی ایسا نہ بچا تھا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہتر مسلمان شہید بھی ہو گئے تھے۔ یعنی ہر کسی کا کوئی نہ کوئی عزیز اس جنگ میں شہید ہو چکا تھا اور مدینہ واپسی پر تمام اہل مدینہ کے گھر صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ شہیدوں کا دکھ، زخمیوں کی آہ و بکا، ان زخمیوں کا افسوس جو زخموں کی تاب نہ لا کر جان ہارتے جا رہے تھے۔

ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ دوسروں کا دکھ یاد ہی نہ تھا۔ اس قدر الم ناک صورت حال میں لوگ اپنے اپنے شہیدوں اور زخمیوں کے پیچھے پڑے تھے۔ اور سید الشھداء پر آنسو بہانے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور بڑے ٹوٹے ہوئے دل سے کہا۔ افسوس ”حمزہ کے لئے



Marfat.com

رونے والا بھی کوئی نہیں۔"(۱)

جب سید الانصار سعدؓ بن معاذ نے یہ بات سنی تو فوراً گئے اور تمام انصار خواتین کو حضرت حمزہؓ کے گھر بھیجا۔ اور کہا پہلے حمزہؓ کی تعزیت کرو پھر اپنے مرنے والوں کو یاد کرنا۔ یعنی قیامت تک یہ حقیقت بن گئی کہ لوگوں نے سید الشہداء کے لئے اپنے مرنے والوں سے پہلے افسوس اور تعزیت کی۔ اس زمانے میں کئی دن تک یہ معمول رہا۔ یعنی اگر یہ لوگ حمزہؓ کے دکھ پر رونے سے پہلے اپنے شہیدوں پر آنسو بہاتے تو شیرِ خدا کا حق ادا نہ ہوتا۔

## ۹۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

عبدَاللہ بن جحش بھی جہاد کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔ احد کے روز جب جنگ زوروں پر تھی، ہر طرف چیخ و پکار تھی۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے جرأت و بہادری سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ عبداللہ بن جحش اور سعد بن ابی وقاص خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش نے احد کے روز کہا کہ آیئے مل کر تنہائی میں اللہ سے اپنی اپنی دعا کرتے ہیں۔

میں نے دعا کی: "اے اللہ کل جب میرا دشمن سے مقابلہ ہو تو مجھے ان میں سے سب سے سخت، مضبوط اور بہادر دشمن سے ملا۔ میں اس کو قتل کروں اور اس کی اشیاء پر قبضہ کروں۔" اس پر عبداللہ بن جحش نے کہا "آمین"۔ پھر عبداللہ نے دعا کی: "اے اللہ میں دعا کرتا ہوں کہ کل میرا مقابلہ کافروں میں سے کسی سورما سے ہو، میں تیری خاطر اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے۔ پھر وہ مجھے قتل کرے اور میرے جسم کو قبضے میں لے۔ میری ناک کاٹے، میرے کان کاٹے، پھر جب میری تجھ سے ملاقات ہو اور تو پوچھے عبداللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟ میں جواب دوں: تیری خاطر اور تیرے رسول کی خاطر اور اللہ کہے تو نے سچ کہا۔" حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہت بہتر تھی۔ میں نے شام کے وقت دیکھا کہ ان کی ناک اور کان ایک دھاگے کے ساتھ لٹک رہے تھے۔(۲)

---

۱) ابن ماجہ، الجنائز: ۵۳، مسند احمد: ۲/۴۰

۲) اسد الغابة، ابن الاثیر: ۳/۱۹۵، مجمع الزوائد، الهیثمی: ۹/۳۰۱



Marfat.com

# خاتمہ

حقیقی مومن ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہے۔عزت کی موت اس زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے جو دشمن کے تسلط کے خوف سے گھر کے کونے کھدرے میں ڈر ڈر کر گزار دی جائے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان عرفان کی منزل کو پہنچ جائے۔جو شخص مُردوں کی سی زندگی گزارنے کو ترجیح دے وہ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

انسان کو یہ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے۔اس کو آخرت کی سعادت کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔اس زندگی کو گناہوں سے پاک رکھنا بہرحال بہت مشکل ہے۔ہماری زندگیاں گناہوں کے سمندر میں ہیں۔جو شخص بازاروں میں گھومتا ہے۔کتنی ہی بار اس کی نظر حرام پر پڑتی ہے۔ہر روز وہ کتنی مرتبہ مرتا ہے۔کتنی مرتبہ گندگی میں لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔کتنی مرتبہ ہر روز اس سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔کیا کیا چیز معدے میں چلی جاتی ہے، بلکہ کتنی مرتبہ حرام کے آگے سر بسجود ہوتا ہے۔کتنی مرتبہ چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے رب جلیل کی نافرمانی ہو جاتی ہے، بلکہ نعوذ باللہ کتنی مرتبہ نبی کے فرامین کی توہین ہو جاتی ہے۔کتنی ہی مرتبہ قرآنی آیات کا انکار عمل میں آتا ہے۔آج کے بدترین زمانے میں قدم قدم پر گناہ انسان کو گھیرے رکھتے ہیں۔ان گناہوں سے نجات اور جنت کا مختصر ترین راستہ شہادت کے علاوہ کوئی نہیں۔یہی سوچ ہو یہی فکر ہو۔اسی مقصد کے حصول کے لئے انسان کوشاں رہے۔ابو عقیل کی طرح موقع کی تلاش میں رہے کہ کب مجھے شہادت کا مرتبہ ملے اور کامیاب ہو جاؤں۔جو شخص دعوتِ دین کو ایک امانت سمجھتا ہے اور اس کو ادا کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے، اس کی زندگی کا مقصد و محور یہی ہونا چاہیے۔شہادت ہمارا مقصد ہے، شہادت ہمارا ہدف ہے، شہادت سے ہی ہمیں محبت ہے۔



Marfat.com

جس شخص نے اپنی زندگی کا قصیدہ نیک، صالح اور دعوت دین کے مصرعوں سے ترتیب دیا ہے، اس کے اس قصیدے کا آخری قافیہ شہادت فی سبیل اللہ ہونا چاہیے۔ تب زندگی اپنی بہترین اور مہنگی ترین قیمت دے گی۔ وہ قیمت ایسی ابدی جنت کی صورت میں ہوگی جہاں حور وقصور ہونگے، وہ کچھ ہوگا جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جنت میں ہر نیک عمل کا بدلہ پورے کا پورا موجود ہوگا۔

یاد رہے کہ جنت اور جہنم دو سٹور ہیں۔ جن میں انسان کے اعمال جمع ہوتے رہتے ہیں۔ نیک عمل اور خیر کے کام جنت میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور برے اعمال جہنم میں اکٹھے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم جنت یا جہنم کو خود ہی بنتے ہیں اور خود ہی سیتے ہیں۔

بلاشبہ نیک اعمال کا سردار شہادت فی سبیل اللہ ہے۔ شہادت جان کی نیاز ہے جو انسان ادا کر دیتا ہے اور جانتے بوجھتے ہوئے اپنی روح کو اللہ کی ذات پر قربان کر دیتا ہے۔ اس کی حقیقی نظر دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے بعد کی اسی زندگی کو دیکھ لیتی ہے۔ شہید ان نعمتوں کے لئے اس زندگی کی قربانی دے دیتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنی پوری مرضی اور منشاء سے یہ سودا کرتا ہے۔

جو شخص چاہتا ہے کہ اچھی، بابرکت اور پاکیزہ زندگی کا پورا پورا حصہ حاصل کرے اسے چاہیے کہ اس زندگی میں اللہ کی خاطر اپنے قیمتی خون کے قطرے بہادے اور شہادت کا منصب حاصل کر لے تا کہ اپنے کو مقصد صحیح معنوں میں حاصل کرے۔ جو زندگی شہادت پر اختتام پذیر نہ ہو چاہے جس قدر نیکیوں سے بھرپور ہو کوئی نہ کوئی کمی اس میں رہ جاتی ہے لیکن جس زندگی کا اختتام شہادت پر ہو، چاہے وہ شہادت کسی بھی انداز سے ہو اس میں کوئی ایسا گوشہ نہیں بچتا جسے ہمیں کمی، کوتاہی، کجی یا غلطی کہہ سکیں۔ یہ اختتام ایسے قصیدے یا نظم کی طرح ہے جس کے تمام شعر مکمل ہوں۔ تمام قافیے برابر ہوں اور کوئی مصرعہ نامکمل نہ ہو۔ اس میں ہم آہنگی، یکسانیت، نظم وضبط اور محبت ہوتی ہے۔ شہادت تو ایسی پر اسرار شاہ کلید ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے تمام دروازوں کے تالے کھول دیتی ہے۔ شہید کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ بلا حساب کتاب جنت کی اس اعلیٰ منزل تک چلا جاتا ہے۔ جو اللہ نے صرف اس کے لئے خاص کر رکھی ہے۔ شہید کو ان راستوں کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہوتی ہے



Marfat.com

کہ اس کے کپڑے خون آلود ہوتے ہیں، اس لباس والے کو راستے میں کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔

اللہ پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہر زمانے میں یہی تمنا رکھتے ہیں کہ اگر موت آئے تو شہادت کی موت آئے۔ چاہے کسی جنگ میں، کسی معرکہ میں، کسی قتال میں، کسی آزادی کی تحریک میں۔ الغرض ہر دور میں مومن کی شان یہی رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے راضی ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو اس آدمی کا فعل بہت پسند آیا جو اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا۔ اس کے ساتھی شکست کھا گئے اور وہ اپنی ذمہ داری کا ادراک کرتے ہوئے جنگ میں واپس آ گیا۔ یہاں تک کہ اپنا خون بہا دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: میرے اس بندے کو دیکھو۔ جو کچھ میرے پاس ہے اس کی محبت اور میرے خوف سے میرا بندہ جنگ میں واپس آیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ اپنا خون بہا دیا (یعنی اپنی جان میرے راستے میں قربان کر دی۔)''



Marfat.com

Marfat.com